سلسلۂ اشاعۃ العلوم حیدرآباد دکن نمبر (۱۳)

إِنَّ الدِّينَ عِندَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ

از تازہ افادات حضرت حقایق آگاہ معرفت دستگاہ عارف باللہ
مولانا مولوی حاجی حافظ شاہ محمد انوار اللہ صاحب قبلہ چشتی قادری
استاد اعلحضرت خلد اللہ ملکہ

مقاصد الاسلام

کا حصہ پنجم

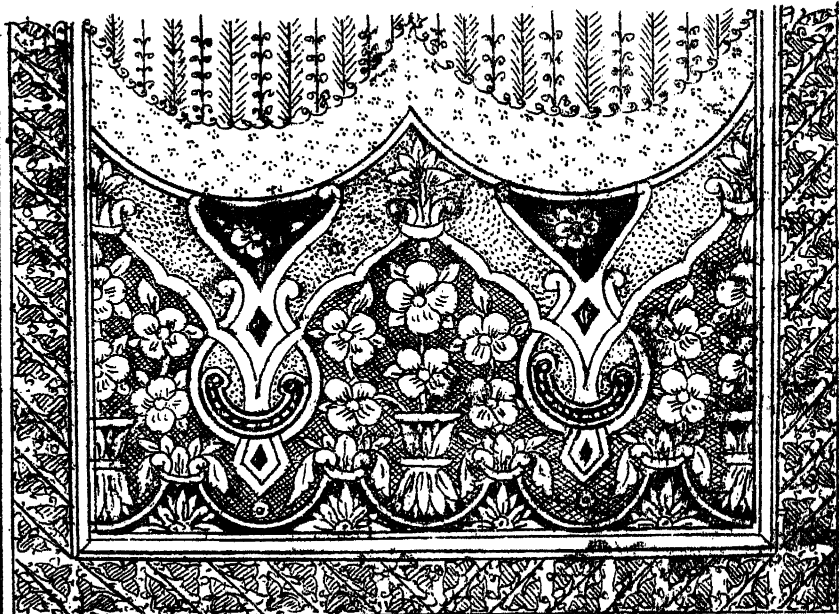
باہتمام جناب مولوی ابوالوفا سید ندیم اللہ حسینی صاحب بختیاری
(مولوی فاضل) مہتمم مجلس اشاعۃ العلوم حیدرآباد دکن

شمس الاسلام پریس میں زیور طبع سے مزین ہوا

فہرست کتاب مقاصد الاسلام حصہ پنجم

تصحیح الاغلاط

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱	۱	سَیّدِنَا	سَیِّدِنَا	۹۹	۴	بلادورروم	بلادروم
۲	۵	خوار و ذلیل	خوار و ذلیل	۱۰۱	۱۸	مائل	قبائل
〃	۱۹	ود	وہ	۱۰۲	۶	لامام	لا امام
۵	۵	حاصل کرنا	حاصل کرتا	۱۰۵	۷	ہوگے	ہوگئے
۱۱	۱۹	فچروں	خچروں	۱۰۸	۱۹	نہوی	نبوی
۲۰	۱۷	رحس	جس	۱۱۲	۳	بجراما	مجرہا
۲۹	۱۸	گونہیں ملا	گوشت نہیں ملا	۱۱۳	۱۴	جنگ مدر	جنگ بدر
۴۱	۱	جاتےہی کے	جانےہی کی	۱۱۷	۱۰	خلوص	خلوص
۶۵	۹	حزم	جزم	۱۱۸	۱	علیہ اسلام	علیہ السلام
۶۸	۹	مکروہ	مکروہ	۱۴۴	۱۹	یتہان	یہاں
〃	۹	حلوتی	حلقوتی	۱۳۹	۵	حسین بن علی	حسنؓ بن علیؓ
۷۰	۱۹	رسول سے	رسول نے	۱۴۶	۵	شجاعت بر	شجاعت پر
۸۶	۶	کسی	کسی سے	۱۵۰	۱۲	سے نے کیا	سے نے کہا
۹۰	۴	۔بن	جن	۱۵۲	۳	ناچالق	ناچاقی
۹۴	۵	ازلی	ازلی کا	۱۵۴	۴	باہمہ عزت	باہمہ عرب
۹۶	۱۶	کس	کسی	۱۶۸	۱۶	علیٰ سیّدِنَا	علیٰ سیّدِنَا
۹۸	۱۱	بہی	ہی				
〃	۱۴	ولید لنہم	ولیبد لنہم				



بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العلمین ۰ والصلوٰۃ والسلام علی سیدنا محمد و علی آلہ و صحبہ اجمعین ۰

(**اما بعد**) مقاصد الاسلام کے حصۂ سیوم میں شمس العلما مولوی شبلی صاحب کا خیال ظاہر کیا گیا تھا کہ فلسفہ اور تصوف کے دانڈے ایک جگہ ملتے ہیں شاید بعض متصوفین کے لحاظ سے اونھوں نے فرمایا ہوگا جن کے نزدیک عبادت الٰہی کی ضرورت نہیں ورنہ کجا فلسفہ اور کجا تصوف دونوں میں کسی قسم کا تعلق نہیں کیونکہ تصوف اوس علم کا نام ہے جسمیں صرف وہ امور مذکور ہوتے ہیں جو تقرب الی اللہ کے باعث ہوں اور لوازم تصوف ایسے سخت واقع ہوئے ہیں کہ اہل فلسفہ اونکو سن لیں تو گھبرا جائیں۔

اوائل میں جو اہل تصوف تھے وہ زینت اور زرق و برق کو ترک کر کے صرف صوف یعنے کمبل پر قناعت کرتے تھے اس لئے اونکا نام ہی صوفی ہو گیا۔

تصوف اور صوفی

یہ بات پوشیدہ نہیں کہ آدمیوں کے طبائع مختلف ہوتے ہیں۔ بعض غیور طبع ایسے بھی ہیں
کہ بھوکے رہیں گے مگر ذلت کی نوکری اور ذلیل پیشہ نہ کرینگے۔ ہمیشہ اونکی ہمت اسی میں
مصروف رہتی ہے کہ سلاطین کا تقرب حاصل کریں اور انہی کی خدمت میں رہیں اسکے واسطے
اونکو بڑی بڑی مشقتیں اٹھانی پڑتی ہیں اور اون افعال سے محترز رہتے ہیں جو سلاطین کے
نظروں میں اونکو خوار و ذلیل کریں آخر شدہ شدہ بحسب نیکنامی وسعی و علو ہمت
فائز المرام ہو کر دنیاوی وجاہت حاصل کرتے ہیں۔

اسی طرح اسلامی دنیا میں بھی بعض غیور طبع عالی ہمت اپنے ہم جنس مخلوق کی خدمت
کو عار اور اپنے خالق کی عبادت کو باعث افتخار سمجھتے ہیں ہمیشہ وہ تقرب الٰہی کے ذرائع
تلاش کرتے رہتے ہیں اور اون اخلاق و افعال اور اوصاف و عادات کو جو خالق عز وجل
کے خلاف مرضی ہیں ترک کر کے اون فضائل کو حاصل کرنے میں ساعی رہتے ہیں جن میں
خالق عز وجل کی رضامندی متصور ہے۔ غرضکہ ہر وقت اونکا دلی تعلق انہی امور کے طرف
لگا رہتا ہے اس لئے وہ اپنی نفسانی خواہشوں کو پوری نہیں کر سکتے بلکہ فقط ضروریات
پر اکتفا کر لیتے ہیں۔ مثلاً کھانا جس قسم کا اور جب ملگیا کھا لیا اور کپڑا جس قسم کا مل گیا
پہن لیا خصوصاً کمبل چونکہ ارزاں اور دیرپا ہوتا ہے اوسکو بہت شوق سے وہ پہنتے ہیں
تا کہ بار بار دھونے اور بدلنے کی ضرورت نہوا اور اگر وہ پھٹ جائے تو کپڑا یا چمڑا جو ملگیا
اوسکا پیوند لگا لیتے ہیں جس سے سالہا سال ایک ہی کمبل میں اونکی گذر ہو جاتی ہے۔
اس قسم کے لوگ ابتدائے زمانہ میں صوفی یعنے کمبل والے کہلاتے تھے یہ نام صرف شناخت
کے لئے لوگوں نے ٹھیرا لیا تھا جو شدہ شدہ اونکا لقب ہی ہو گیا اور اوسی سے لفظ
تصوف ماخوذ ہے۔ مگر اصل تصوف وہ ہے جس نے اونکو اس حالت ظاہری پر مجبور

کیا تھا اور صوفی وہی ہوگا جس کو وہ حالت نصیب ہو۔ حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں من عاش فی ظاهر الرسول فهو سنی و من عاش فی باطن الرسول فهو صوفی رواه ابو نعیم فی الحلیة۔ یعنے جو ظاہر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ہو وہ سنی ہے اور جو باطن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق زندگی بسر کرے وہ صوفی ہے انتہے اہل بصیرت پر ظاہر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا باطن حق تعالیٰ کے صفات کمالیہ کا آئینہ بنا ہوا تھا۔ کوئی وقت ایسا نہیں گذرتا تھا جو یاد الٰہی سے خالی ہو حق تعالےٰ فرماتا ہے واذكر ربك اذا نسيت یعنے اپنے رب کو یاد کرو جب بھول جاؤ۔ آیۃ شریف کا اصلی مقتضیٰ یہی ہے کہ ادھر نسیان آیا اودھر یاد الٰہی شروع ہوگئی جس کا مطلب یہ ہوا کہ نسیان بالکل ممتد نہ ہونے پائے پھر کیونکر ہو سکتا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر کوئی زمانہ ایسا گذرے جو یاد الٰہی سے آپ غافل ہوں۔ اب کہئے کہ جب ہر وقت یاد الٰہی اور اوسکے صفات جمالیہ و جلالیہ کا تصور لگا رہے تو کیا ممکن ہے کہ آدمی سے کوئی دوسرا کام ہو سکے اسیوجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات پر نظر ڈالی جائے تو صاف معلوم ہوگا کہ جو کام آپ کرتے تھے اوسمیں سوائے خدائے تعالیٰ کی یاد اور مشاہدہ اور رضا جوئی کے اور کچھ مقصود نہیں ہوا کرتا تھا کسی کام میں دنیا سے آپکو کوئی تعلق نہ تھا جسکی تصریح خود نے بھی بارہا فرمادی ہے۔ جب امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کے ارشاد سے ثابت ہے کہ صوفی کا باطن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے باطن کا تابع ہوتا ہے تو معلوم ہوا کہ صوفیہ کے باطنی حالات علی قدر مراتب وہی ہونگے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تھے غرضکہ ہمیشہ یاد الٰہی میں رہنا صوفیہ کا فرض منصبی ہے اور اوس سے اون پر منکشف ہو جاتا ہے کہ حق تعالیٰ کو ایجاد عالم سے مقصود بالذات اپنی معرفت تھی اسی وجہ سے

کوئی چیز ایسی نہیں جو اللہ تعالیٰ کو نہیں پہچانتی ہو جیسا کہ اس آیۂ شریفہ سے ظاہر ہے وان
من شئی الا یسبح بحمدہ یعنے ہر چیز خدائے تعالیٰ کی تسبیح اور حمد کرتی ہے ۔ اس سے صاف
معلوم ہوتا ہے کہ ہر چیز حق تعالیٰ کو تمام عیوب سے منزہ اور قابل حمد تسلیم کر کے تسبیح و تحمید کرتی ہی
یہی معرفت ہے ۔ مگر معرفت کے اقسام اور مدارج متفاوت ہیں ہر ایک چیز میں خاص خاص قسم

معرفت الٰہی

کی معرفت کی صلاحیت رکھی گئی اور جن و انس میں اعلیٰ درجہ کی صلاحیت ہے کیونکہ اونمیں
وہ صفات ودیعت رکھے گئے ہیں کہ دوسروں میں نہیں ۔ اور قاعدہ کی بات ہے کہ جسمیں جو
صفت کمال ہوگی اوسی صفت کو خدائے تعالیٰ کے لئے تسلیم کر سکتا ہے دیکھئے مادر زاد نابینا
خدائے تعالیٰ کو بصیر کبھی نہیں سمجھ سکتا کیونکہ اوسکو خبر ہی نہیں کہ بصارت کیا چیز ہے ۔

غرضکہ معرفت الٰہی ان صفات کی وجہ سے جو انسان کو حاصل ہو سکتی ہے دوسرونکو
نہیں ہو سکتی ۔ یہی وجہ اوسکی فضیلت کی ہے جس سے تمام اشیاء اوسکے لئے پیدا کئے
گئے ہیں کما قال اللہ تعالیٰ وخلق لکم ما فی الارض جمیعا اور تمام عالم اوسکے لئے
مسخر کیا گیا کما قال اللہ تعالیٰ وسخر لکم ما فی السموات وما فی الارض جمیعا منہ
چنانچہ اسکا حال مقاصد الاسلام کے حصۂ اول میں لکھا گیا ہے پھر اوسکو عقل ایک ایسی چیز
دیگئی ہے کہ اپنا نفع و ضرر جو سردست ہو یا آیندہ ہونے والا ہے اوسکے ذریعہ سے
بخوبی معلوم کر سکتا ہے ۔

جزا و سزا

یہاں سے جزا و سزا کی تمہید ہوئی ۔ پھر اوسکو نفس دیا گیا جسمیں کئی قسم کی خواہشیں
رکھی گئیں جنکے حاصل کرنے سے اوسے نہایت لذت ملتی ہے ۔

یہاں سے ابتلا کی بنیاد پڑی کہ دیکھیں ان لذائذ میں عقل کو بیکار کر دیتا ہے
یا کام میں لاتا ہے ۔

عقل کا مقتضی یہ تھا کہ آدمی یہ سمجھتا کہ میں خود بخود نہیں پیدا ہوا ضرور ہے کہ کسی ایسے قادر نے مجھے پیدا کیا ہے جو جمیع صفات کمالیہ کے ساتھ متصف ہے اور ان احسانات کے بدلے جو اوسکو علاوہ نعمت وجود کے بے انتہا نعمتیں حاصل ہوئیں اور ہوتی جاتی ہیں شکر الٰہی بجالاتا مگر بجائے اسکے کہ عقل کی نازک خیالیوں سے بقدر طاقت بشری خدا تعالےٰ کی معرفت حاصل کرنا تلذذات نفسانیہ کے حاصل کرنے میں اوسکو مشغول کردیا۔ اسلئے خدائے تعالیٰ نے انبیا کو بھیجا تاکہ معرفت اور عبادت کی طرف اونکو مائل کریں۔ اونھوں نے خدا کا پیام پہنچادیا کہ دیکھو تمھارے پیدا کرنے سے مقصود الٰہی یہ ہے کہ اوسکو پہچانکر اوسکی عبادت کیا کرو کما قال اللہ تعالیٰ وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون اور یہ لذائذ اور عمدہ عمدہ چیزیں جو اس عالم میں پیدا کئے ہیں جن سے تم لذتیں حاصل کرتے ہو اوس عالم کا نمونہ ہے جہاں تھیں مرنیکے بعد جانا ہے اگر یہاں صرف ضروریات پر اکتفا کرکے عبادت الٰہی کروگے تو تھیں وہاں جنت ملے گی ورنہ دوزخ۔

جنت کے حالات جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائے ہیں اونمیں سے تھوڑے مختصر طور پر کنز العمال اور ترغیب وترہیب منذری اور مشکوٰۃ شریف سے لکھے جاتے ہیں۔ یہ حدیث کی کتابیں چونکہ چھپ چکی ہیں اس لئے ہر حدیث کی تخریج نہیں لکھی گئی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جنت کے سنو درجے ہیں ہر ایک درجہ اتنا وسیع ہے کہ اگر تمام عوالم اوسمیں جمع ہوں تو سب کی گنجایش اوسمیں ہوجائے جن چیزوں کی نفس کو خواہش ہوا اور آنکھوں کو لذت وہ سب اوسمیں مہیا ہیں اور

علاوہ اونکے وہ اشیا اوسمیں موجود ہیں جنکو نہ کسی کے کانون نے سنا نہ آنکھوں نے دیکھا نہ کسی کے خیال میں اونکا گذر ہوا۔

اوسکا وقت ہمیشہ صبح کا سا نورانی اور ٹھنڈا رہیگا۔ وہاں کبھی رات نہ ہوگی۔

جنت میں چار سمندر ہیں ایک پانی کا دوسرا شراب کا تیسرا دودھ کا چوتھا شہد کا۔ ان سے نہریں نکل کر تمام مکانات میں تقسیم ہوتی ہیں۔ یہ نہریں کھدی ہوئی نہیں سطح زمین پر بہتی ہیں اونکا کیچڑ مشک خالص ہے اور بجائے سنگریزوں کے زعفران اور سنگریزوں کی جگہ موتی پڑے ہوے ہیں اونکے کناروں پر موتی کے خیمے لگے ہیں۔

وہاں کے جھاڑوں کا یہ حال ہے کہ بعضوں کے پیڑ سونے کے ہیں اور بعض کے موتی کے اور شاخیں زمرد اور موتی کے ہیں جب اون پر ہوا بہتی ہے تو اون سے وہ دلکش نغمات سنے جاتے ہیں جن کی نظیر نہیں۔

وہاں کے میوؤں کا کوئی موسم مقرر نہیں ہر قسم کے میوہ جات ہر وقت لگے رہتے ہیں جس پھل پر رغبت ہوئی وہ فوراً ٹوٹ کر پاس آگیا اور اوسکی جگہ دوسرا پیدا ہوگیا۔

اسی طرح جس پرندے پر نظر پڑگئی اور اوسکے شکار کی خواہش ہوئی اوسکا گوشت بھنا بھنایا پیش ہوگیا۔

ایک جھاڑ کو حکم ہوگا کہ جو بندے ہمارے ذکر میں مشغول تھے اور مزامیر و معازف کے سننے سے احتراز کرتے تھے اونکو اپنے خوش آوازی سے مسرور کر وہ اس خوش الحانی سے حق تعالی کی تسبیح و تقدیس کریگا کہ کسی کے کانوں نے نہیں سنا۔

اوسکے مکانات کا یہ حال ہے کہ ہر محل میں نہایت سرخ یاقوت کے ستر گھر ہیں اور ہر گھر میں ستر حجرے نہایت سبز زمرد کے اور ہر حجرے میں ستر تخت جن پر اقسام اقسام کے

فرش بچھے ہیں۔ سوائے اسکے ہر باغ میں ایک خیمہ موتی کا ہوگا جسکا طول ساٹھ میل کا ہے۔

جو لوگ جنت میں جائیں گے اون کی عمر تینتیس ۳۳ سال کی ہوگی یعنے عین شباب اور کمال قوت کا زمانہ اور یہی حالت اون کی ہمیشہ قایم رہیگی اور وہ امرد ہونگے۔

ہر ایک کو حسن یوسفی عطا ہوگا اور ہمیشہ حسن میں ترقی ہوتی رہے گی جنت میں ایک بازار ہے کہ ہر جمعہ کو یعنے سات دن کے مقدار میں ایک بار لوگ اوسمیں جائینگے اوس وقت ایک ہوا چلے گی جس کی تاثیر یہ ہے کہ حسن کو دوبالا کر دیتی ہے۔ جب وہ گھر آئیں گے تو گھر والے تعجب سے کہیں گے کیا بات ہے کہ تمھارا حسن دوبالا ہوگیا وہ کہیں گے ہم بھی یہی دیکھتے ہیں کہ تمھارا حسن بھی دوبالا ہوگیا ہے۔ اور ایک بازار ہے جسمیں فقط تصویریں ہونگی جو صورت کسی کو پسند آجائے اوسکی وہی صورت ہوجائیگی غرضکہ حسن میں روز افزوں ترقی رہے گی۔

اونکا لباس نہایت فاخرہ ہوگا چنانچہ تاج کا ادنی موتی ایسا روشن ہوگا کہ اگر وہ دنیا میں ظاہر ہوجائے تو مشرق سے مغرب تک منور کردے۔

مثل سلاطین کے زیور سے بھی وہ نہایت آراستہ وپیراستہ ہونگے اونکا ایک دست بند اگر دنیا میں ظاہر ہوجائے تو آفتاب کی روشنی اوسکے مقابلہ میں ایسی ماند ہوجائے جیسے تاروں کی روشنی آفتاب کے مقابلہ میں۔

ہزار ہا عورتیں ایک ایک جنتی کے نکاح میں ہونگی جنمیں علی حسب مراتب ستر تک حوریں ہونگی حوروں اور عورتوں کا حسن خدادا داور نزاکت اور صفائی رنگ اور اونکے لباس اور زیور کی عمدگی بیان سے خارج ہے ادنی صفت اونکی یہ ہے کہ ہمیشہ باکرہ رہیں گی اونمیں دو حوریں نہایت خوش آواز ہونگی جنکا سا حسن صورت اور

نغمہ سرائی نہ کسی آدمی نے سنا ہے نہ جن نے۔

ہر جنتی کو سو آدمیوں کی قوت اکل و شرب و جماع کی دیجائیگی کتنا ہی کھائے پیئے ایک ڈکار اور تھوڑا سا پسینہ آتے ہی پھر اشتہا کامل ہو جائیگی۔ اور وقت واحد میں سو باکرہ کا بکر زائل کرسکے گا ادنیٰ جنتی کی نظر کا یہ حال ہوگا کہ اوسکے کل باغ اور بیویاں اور خدام وغیرہ پیش نظر رہیں گے اور اعلیٰ درجے والے ہر صبح و شام وجہ الٰہی کا نظارہ کرتے رہیں گے۔

ادنیٰ جنتی کے خدام ستر ہزار ہونگے جنمیں سے ہزار ایسے ہونگے کہ ہر ایک ایک ایک کام پر معین ہوگا اور دس ہزار خادم کھانے کے اہتمام پر مقرر ہونگے ہر ایک کے ہاتھ میں دو رکابیاں ہونگی اور ہر رکابی میں نئے نئے قسم کا کھانا جسمیں ہر ایک کا ذائقہ دوسرے ذائقہ سے جدا ہوگا یعنے ہر وقت بیس ہزار قسم کے مختلف کھانے مہیا ہونگے اور مزہ یہ کہ کھانے والے کے ذائقہ میں اول سے آخر تک فرق نہ آئیگا بخلاف دنیا کے کہ سیری ہوتے ہی کیسا ہی لذیذ کھانا پیش کیا جائے خوش ذائقہ نہیں معلوم ہوتا بلکہ ایک طرح کی نفرت ہوتی ہے وہاں ایسا نہ ہوگا۔

پھر تین سو قسم کے شربت پیش کئے جائینگے جن کے ذائقے مختلف ہونگے اور التذاذ میں پہلا پیالہ اور آخری پیالہ برابر ہوگا یعنے آخر تک بے رغبتی نہ ہوگی۔

اہل جنت جب جنت میں داخل ہوکر اپنے اپنے مکانات میں مقیم ہو جائیں گے تو تخمیناً آٹھ دن کے بعد بارگاہ الٰہی میں سب کی یاد ہوگی۔ دربار میں سونے چاندی موتی یاقوت زمرد اور نور وغیرہ کے منبر اور کرسیاں رکھی جائینگی اور بحسب مراتب لوگ اوس پر بیٹھیں گے اور حق تعالیٰ کا دیدار اور ہمکلامی ہوگی۔ کسی شخص کا نام لیکر

حق تعالی فرماویگا کہ کچھ یاد ہے دنیا میں تم نے فلاں وقت کیا کہا تھا؟ وہ عرض کریگا الٰہی کیا میری مغفرت نہیں ہوئی ارشاد ہوگا کیوں نہیں مغفرت ہی کی وجہ سے تو یہاں تک رسائی ہوئی۔ اسی گفت وشنود میں ہونگے کہ ایک ابر نمودار ہوگا جس سے عطر اس خوشبو کا برسے گا کہ کسی نے کبھی نہ سونگھا ہو۔ اوسکے بعد ارشاد ہوگا کہ اب برخاست کرو اور جو جو کرامتیں اور نعمتیں ہم نے تمھارے لئے مہیا کی ہیں جتنے چاہو لو۔

وہاں سے نکل کر سب بازار کی طرف جائینگے۔ جہاں فرشتوں کا ہجوم ہوگا اوسمیں اقسام کی نعمتیں ہونگی جن کا مثل نہ کسی آنکھ نے دیکھا نہ کسی کان نے سنا نہ کسی کے دل میں اوس کا خیال گذرا۔ وہاں بیع وشرا نہوگی بلکہ عام اجازت ہوگی کہ جس کا جو جی چاہے لیلے۔ اس مقام میں تمام جنتی ادنی اعلی ایک دوسرے سے ملاقات کرینگے اگر کسی کا لباس اچھا معلوم ہوا تو فوراً اپنا لباس بھی اوسی قسم کا ہوگیا تا کہ ملال نہ آنے پائے کیونکہ جنت میں غم وحزن کا نام نہیں۔ جب وہاں سے وہ اپنے گھر آئیں گے تو بیویاں پوچھیں گی کہ کیا وجہ ہے کہ تمھارا حسن بنسبت سابق کے بہت بڑھ گیا ہے وہ جواب دینگے کہ ہمیں آج حق تعالی کی مجالست نصیب ہوئی ہے اوسکا اثر یہی ہونا چاہئے۔ پھر ہر جمعہ کے مقدار میں عموماً دیدار الٰہی ہوا کریگا۔ ایک بار حق تعالی فرمائیگا کیا تم راضی ہوئے وہ عرض کرینگے الٰہی ایسی ایسی نعمتیں تو نے ہمیں عطا کیں جو کسی کو نصیب نہیں کیا اب بھی راضی نہ ہونگے ارشاد ہوگا کہ ان سب سے بہتر ایک اور نعمت ہم تمھیں دیتے ہیں عرض کرینگے الٰہی ان سے بہتر کونسی نعمت ہوگی ارشاد ہوگا کہ ہم تم سے راضی ہوئے اور کبھی تم پر غصہ نکرینگے اس سے بے انتہا اہل جنت کو خوشی ہوگی جنتی جب اپنے احباب کی ملاقات کے مشتاق ہونگے تو کبھی تخت اونکو لے اوڑینگے۔ اور اگر چاہیں تو گھوڑوں اور اونٹوں پر سوار ہونگے جو اونکو فوراً وہاں پہونچا دینگے۔

پھر ملاقات میں دنیا کے واقعات اور اپنے اپنے سرگذشتیں بیان کرینگے۔

جنت میں آدمی ہر قسم کی خواہش پوری کر سکتا ہے اگر کسی کو اولاد کی خواہش ہو تو ایک ہی ساعت میں حمل اور زچگی ہو کر لڑکا سن رشد کو پہونچ جائیگا کسی کا خیال زراعت کا ہو تو۔ بیج بوتے ہی جھاڑ نکل آئینگے اور غلہ اونمیں پیدا ہو جائیگا اور خشک ہو کر قابل درو ہو جائیگا اور پہاڑوں کے برابر ڈھیر لگ جائیگا۔

غرضکہ جس چیز میں ملذذ اور نفس کی خواہش ہو وہ سب وہاں مہیا ہیں حق تعالی فرماتا ہے وفیھا ماتشتھیہ الانفس وتلذ الاعین وانتم فیھا خالدون اور پاخانہ پیشاب اور نیند وغیرہ چیزیں جو عیش میں خلل انداز ہوتی ہیں۔ جنت میں نہونگی۔

یہ جنت کا حال تھا اب دوزخ کا بھی تھوڑا سا حال سن لیجئے۔ جو قرآن شریف اور احادیث میں وارد ہے یہ روایتیں بھی کتب مذکورہ ہی سے لکھی جاتی ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ آتش دوزخ کی حرارت اس شدت کی ہے کہ دنیا کی آگ کی حرارت سے انہتر[۶۹] حصہ زیادہ ہے یا یوں سمجھو کہ حرارت کے ستر حصے کئے گئے ایک حصہ دنیا کی آگ کو ملا اور باقی وہانکی آگ کو اگر سوئی کے ناکہ کے برابر دوزخ سے سوراخ ہو جائے جس سے وہانکی حرارت زمین پر آسکے تو اوتنی ہی حرارت سے تمام زمین کے رہنے والے ہلاک ہو جائیں۔ اوس کا رنگ نہایت سیاہ ہے جیسے شب دیجور۔

دوزخ اتنی گھری ہے کہ اگر اوسکے کنارے پر سے ایک پتھر اوسمیں ڈالا جائے تو ستر برس گذر جانے پر بھی تہ تک نہ پہونچے گا۔

اوسمیں ایک پہاڑ ہے جس کا نام صعود ہے اوس پر چڑھنے کیلئے دوزخی مجبور کئے جاوینگے جب وہ اوس پر ہاتھ یا پاؤں ٹیکینگے تو وہ گل جاینگے اور جب اوٹھا لینگے تو پھر پیدا

حال دوزخ

ہوجائینگے۔ اسمیں پیپ اور لہو کے بڑے بڑے تالاب ہیں۔ دوزخیوں کی بھوک اس بلا کی ہوگی کہ کوئی ایک عذاب اوسکے برابر نہو گا۔ جب بھوک سے فریاد کرینگے تو ضریع کھلائی جائیگی جو زہر ملی کانٹے دار ایک بوٹی ہے پھر فریاد کرینگے تو ایسی چیز کھلائی جائیگی جو حلق میں پھنسے اوسوقت اونکو خیال آئیگا کہ ایسی غذا دنیا میں پانی سے اوتاری جاتی تھی تو پانی طلب کرینگے تب گرم پانی لوہے کی اکوڑیوں کے ذریعہ سے اونکو پلایا جائیگا اوسکی گرمی اس شدت کی ہوگی کہ منہ کے قریب پہونچتے ہی سر اور منہ کا چمڑا گل کر گر پڑیگا اور جب وہ پیٹ میں پہونچیگا تو آنتیں کٹ کٹ کر گرینگی اور کبھی زقوم پلایا جائیگا۔ جس کی یہ کیفیت ہے کہ اگر دنیا میں اوس کا ایک قطرہ ٹپک جائے تو تمام روئے زمین کے لوگوں پر زندگی تلخ ہوجائے اور اگر سمندر میں ڈالا جائے تو تمام پانی خراب ہوجائے اور کبھی ایسا پانی پلایا جائیگا کہ تیل کی تلچھٹ کی طرح نہایت گاڑھا اور نہایت گرم ہوگا جس کی بھاپ سے منہ کا چمڑا نکل پڑیگا۔ کبھی غساق یعنے پیپ پلائی جائیگی جس کا ایک ڈول دنیا میں ڈالا جائے تو تمام دنیا میں بدبو پھیل جائے۔ دنیا میں جو سب سے بڑی نعمت والا مالدار مرفہ الحال شخص تھا لایا جائے گا اور اوسکو دوزخ میں ایک غوطہ دیکر حق تعالی پوچھے گا کہ اے شخص کبھی خیر تونے دیکھی تھی یا کسی نعمت کا تجھپر گذر ہوا تھا عرض کریگا کبھی نہیں یا رب۔ یعنے اوس مصیبت کی حالتیں نعمت یاد تک نہ آئیگی۔ کافروں کی زبان اتنی لمبی ہوجائیگی کہ لوگ اوس پر چلیں گے۔

حمیم یعنے گرم پانی دوزخیوں کے سر پر ڈالا جائیگا تو وہ مسامات کے ذریعہ سے اندر نفوذ کرکے پیٹ میں جو کچھ ہے اوسکو نکالا کر قدموں کے طرف سے نکالدیگا اور ساتھ ہی وہ چیزیں پھر پیدا ہوجائینگے۔ کیونکہ مقصود صرف عذاب دینا ہے۔

وہاں کے سانپ بڑے بڑے اونٹوں کے برابر ہیں اور بچھو خچروں کے برابر۔

جب وہ کاٹیں گے تو چالیس چالیس سال کی مقدار تک اونکا زہر اور درد باقی رہیگا۔
انکے سوا کوئی ایذا دینے والی چیز دنیا میں نہیں جو دوزخ میں نہو۔

جس زنجیر میں کفار جکڑے جائینگے اوس کا ایک ایک حلقہ ایسا ہے کہ اگر پہاڑ پر رکھا جائے تو اوسکو اور زمینوں کو گلاتا اور پھاڑتا ہوا نکل جائے۔

وہاں کے فرشتوں کی ایسی مہیب اور ڈراونی شکلیں ہیں کہ اگر ایک فرشتہ دنیا میں ظاہر ہو جائے تو لوگ اوسکو دیکھکر مر جائیں۔ غرضکہ جیسے جنت میں ہر قسم کی لذتیں اور نفس کی خواہش کی چیزیں ہیں اوسیطرح دوزخ میں ہر قسم کے عذاب و عقاب کی چیزیں مہیا ہیں۔

ہم نے جنت و دوزخ کے چند حالات جو قرآن و حدیث میں وارد ہیں بلا کم و کاست لکھدیئے اور اسکا کچھ خیال نہ کیا کہ اس قسم کے مضامین پر استہزاء اور تضحیک ہوا کرتی ہے اس لئے کہ اگر تضحیک مانع ہو تو ہم سے کوئی اسلامی کام نہ ہو سکے گا۔ یہانتک کہ نماز اور روزوں کا ادا کرنا بھی مشکل ہو جائیگا کیونکہ اوسپر بھی نئی روشنی کے حضرات مضحکے اڑاتے ہیں اور خدا اور رسول کو یاد دلانیوالے اونکی محفلوں میں قل اعوذیے اور ملاٹے وغیرہ القاب سے ملقب کئے جاتے ہیں۔ ہمیں قرآن شریف بتلا رہا ہے کہ استہزاء کرنے والے اوس زمانہ میں بھی موجود تھے جب کہ قرآن نازل ہو رہا تھا مگر خود خدائے تعالی نے اوسکی مکافات کا ذمہ لیلیا ہے جیسا کہ ابتدائے قرآن ہی میں حق تعالی نے اوسکی خبر دی ہے قوله تعالی قَالُوْا اِنَّا مَعَكُمْ اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ اَللّٰهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ وَيَمُدُّهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ
اب ہمکو کسی کے استہزاء کی کیا پروا۔

جنت اور دوزخ سے متعلق ایک تفصیلی بحث

البتہ یہاں یہ دیکھنے کی ضرورت ہے کہ حق تعالی نے جنت و دوزخ کے حالات جو اس قسم کے بیان کئے اونکا وجود ممکن ہے یا نہیں اور جب اونکا امکان ثابت ہو جائے

توصرف یہ بحث باقی رہ جائیگی کہ خدائے تعالیٰ اون ممکن چیزوں کے پیدا کرنے پر قادر ہے یا نہیں پھر جب یہ دونوں امر طے ہوجائیں تو تضحیک کا منشا فقط یہ رہ جائیگا کہ اون چیزونکو دیکھا نہیں جس سے استبعاد اور استعجاب پیدا ہوا۔

امر اول کے نسبت کوئی ذی علم یہ نہیں کہہ سکتا کہ جتنے امور قرآن و حدیث میں بیان کئے گئے ہیں اونمیں کوئی بات عقلاً محال ہے۔ ہاں یہ کہہ سکتے ہیں کہ عادت کے لحاظ سے عقل ان امور کو قبول نہیں کرتی سو یہ بات دوسری ہے۔ ہمارا کلام اون امور کے بالذات محال ہونے میں ہے اور ہم دعوے سے کہتے ہیں کہ ممکن نہیں کہ کوئی انکو محال ثابت کر دکھائے۔ پھر جب وہ سب ممکن ہیں تو خالق ممکنات کی قدرت کا اون سے متعلق ہونا کسی طرح محال نہیں ہو سکتا اگر خالق عز و جل ممکن کو بھی پیدا نہ کر سکے تو وہ خالق ہی کیا ہوا۔ پھر جب خالق عالم نے اپنے کلام پاک میں اوس عالم کے اشیاء اور حالات کی خبر دی ہے تو جو لوگ اوسکو خالق اور قرآن کو اوس کا کلام اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اوس کے رسول تسلیم کرتے ہیں اونکو تولامحالہ ان سب امور کی تصدیق کرنی پڑیگی ورنہ سمجھا جائیگا کہ وہ بھی اونہی لوگوں میں ہیں جو نہ خدا کو مانتے ہیں نہ رسول کو نہ قرآن کو اور اونکا دعوئے اسلام کسی ایسی مصلحت پر مبنی ہے جسکو حقیقی اسلام اور ایمان سے کوئی تعلق نہیں

امور اخرویہ پر ایمان عقلی طور پر

رہا یہ کہ ان امور کو نہ دیکھنے کی وجہ سے عقل قبول نہیں کرتی تو یہ عذر قابل قبول نہیں ہو سکتا اسلئے کہ اگر ہماری ہی تخلیق کسی اور طور پر ہوتی اور اوسوقت ہمارے حالات موجودہ بیان کئے جاتے مثلاً یہ کہا جاتا کہ عالم میں ایک خلقت ایسی بھی ہے کہ اونکا قد طویل ہے اور ایسے عضو کے سہارے چلتے پھرتے ہیں جو اون کے قد کا ساتواں حصہ ہے۔ اور اون پر اقلاً تین سو بیانوے من کا وزن رہا کرتا ہے جیسا کہ حکمت جدیدہ میں مصرح ہے حالانکہ اونکی معمولی طاقت اتنی ہے کہ تخمیناً ایک من بوجھ اوٹھا سکیں۔ اونمیں ایک چمڑے کا تھیلا لگا ہوا ہے جسمیں تین سوراخ ہیں

ایک سوراخ سے غلہ وغیرہ اوسمیں بھر دیتے ہیں اور اوس پر پانی ڈالتے ہیں - اوس تھیلے کے اندر
ہمیشہ آگ جلتی رہتی ہے جس کا کبھی کبھی دھواں بھی نکلتا ہے مگر اونکو اوسکی گرمی محسوس نہیں ہوتی
وہاں غلہ وغیرہ پک کر اوسکا خلاصہ جدا اور فضلہ جدا ہوتا ہے اور فضلہ ایک سوراخ سے اور
پانی دوسری سوراخ سے نکل جاتا ہے - پھر اوس خلاصہ سے چند گاڑھی چیزیں بنتی ہیں جنمیں کسیکا
رنگ سرخ کسی کا سپید کسی کا سیاہ کسی کا زرد و سبز ہے - اون گاڑھی چیزوں سے صدہا چیزیں
اونکے جسم میں بنتی ہیں کوئی نہایت سخت مثل پتھر کے کوئی نرم مثل روئی کے کوئی رقیق کوئی غلیظ
کوئی سرد کوئی گرم کوئی چیز اونکو بیہوش کر کے زمین پر گرا دیتی ہے کوئی چیز حرکت کر کے دیوانہ
بنادیتی ہے کوئی ہنساتی ہے کوئی رُلاتی ہے - انھیں سے سامعہ باصرہ ذائقہ شامہ لامسہ جاذبہ
ہاضمہ دافعہ ماسکہ غاذیہ مصورہ وغیرہ قوتیں پیدا ہوتی ہیں - اون گاڑھی چیزوں سے ایک چیز ہی
کہ اوسکو پچکاری کے ذریعہ سے جو انھیں کے جسم میں لگی ہوئی ہے دوسرے شخص کے تھیلے میں
پہونچاتے ہیں وہاں سے چند روز کے بعد وہی غلہ وغیرہ کا خلاصہ ہو بہو اونہی کی صورت و شکل پر
بن کر باہر نکلتا ہے اور وہ لوگ اوسکو بہت پیار کرتے ہیں اور اپنی جان سے زیادہ اوس کو
دوست رکھتے ہیں اور یہ کوئی نہیں سمجھتا کہ یہ وہی غلہ وغیرہ ہے جو اس صورت میں ظاہر ہوا -
اونکے اعضا میں ایک عضو ایسا ہے کہ اوس سے چار نہریں نکلتی ہین ایک کا پانی نہایت
شیریں ایک کا نہایت تلخ ایک کا پھیکا ایک کا کھارا - اونکے اعضا کی یہ کیفیت ہے کہ کوئی
اونکے اختیار سے متحرک و ساکن ہوتا ہے اور کوئی خود بخود بلا اختیار متحرک و ساکن ہوتا ہے
کسی کو مطلقاً حرکت نہیں ہوتی - اونمیں ایک چیز ایسی ہے جسمیں چار چیزیں جمع ہین جو آپسمیں
ایک دوسرے کی ضد ہیں اور باوجود قوت کے ایک دوسرے کو فنا نہیں کرتیں اور سب
بالاتفاق ایک مقام میں رہتی ہیں جنکے مجموعہ اضداد پر اونکی زندگی کا مدار ہے -

اس قسم کے عجائب جسم انسانی میں کثرت سے ہیں مگر چونکہ اونکے دیکھنے کی عادت ہوگئی ہے اسلیئے وہ کوئی عجیب بات معلوم نہیں ہوتی۔ بخلاف اسکے نہیں دیکھی ہوئی چیز ادنی غرابت سے نادر اور قابل استعجاب معلوم ہوتی ہے ممکن ہے کہ جس طرح خواب میں عجائبات دیکھے جاتے ہیں اور معمولی سے معلوم ہوتے ہیں آخرت کے عجائبات بھی وہاں پہونچنے کے بعد معمولی معلوم ہونے لگیں بہرحال آخرت کے عجائب وغرائب بھی معمولی ہوجائینگے اور جو استعجاب یہاں رہتا ہے وہاں نرہیگا۔

اگر آدمی آخرت کے عجائب اور لذائذ ومصائب پر ایمان لانا چاہے تو کوئی مشکل بات نہیں حق تعالی نے اوس عالم کا ایک نمونہ بھی یہاں قائم فرمادیا ہے چنانچہ ہر شخص جانتا ہے کہ خواب میں اس عالم کے کل اشیا برابر نظر آتے ہیں اور بعض امور ایسے بھی دیکھے جاتے ہیں کہ یہاں اونکا وجود نہیں مثلاً آدمی اپنے آپ کو اوڑتے دیکھتا ہے اور اوس وقت یہ خیال بھی نہیں آتا کہ ہمارا جسم ثقیل ہے کیونکر اوڑا حالانکہ ہمارا وجدان بلکہ مشاہدہ گواہی دیتا ہے کہ ہم اوڑ رہے ہیں جدھر چاہتے ہیں اوڑکر چلے جاتے ہیں اور اوسکی تصدیق بیداری میں بھی کرتے ہیں چنانچہ خواب بیان کیا جاتا ہے کہ ہم اوڑے اور فلاں مقام میں پہونچے۔ اور کبھی خواب میں ایسی مصیبتوں کا سامنا ہوتا ہے کہ آدمی چیخنے اور فریاد کرنے لگتا ہے جسکو لوگ سن کر یہ سمجھ جاتے ہیں کہ اوس عالم میں کسی سخت آفت میں وہ مبتلا ہوگیا ہے اس لئے رحم کرکے اوسکو جگادیتے ہیں اوسکی حالت بیدار ہونے کے بعد بھی یہ ہوتی ہے کہ چہرہ کا رنگ فق ہے دل اچھل رہا ہے زبان سے بات نہیں نکلتی پھر تھوڑی دیر کے بعد جب خوف وہراس کی حالت کم ہوتی ہے تو وہاں کی سرگذشت بیان کرتا ہے ہرچند لوگ تسکین دیتے ہیں کہ وہ خواب وخیال تھا مگر اوسکا وجدان گواہی دیتا ہے کہ اگر اور تھوڑی دیر وہی حالت رہتی تو

خاتمہ ہوگیا تھا اسی طرح جب وہ کسی مہ جبیں کے ساتھ کسی عمدہ مکان اور باغ میں عیش وعشرت کرتے ہوے اپنے کو دیکھتا ہے تو اوسکو یہ خیال نہیں آتا کہ میں اپنے جھونپڑے سے یہاں کیسے چلا آیا اور اس عیش وعشرت کے کیا اسباب ہوے اور ایا یہ مہ جبیں اور یہ باغ وغیرہ واقعی ہیں یا یوں ہی ایک خیالی چیز ہے بلکہ اوس حالت میں وہ پوری جسمانی لذتیں حاصل کرتا ہی جسکے آثار اوس کے جسم پر نمودار رہتے ہیں یہانتک کہ غسل کی ضرورت ہوتی ہے اور عمر بھر اوس عیش کا مزہ بھولا نہیں جاتا۔ اب کہئے کہ اوس عالم خواب کی راحتیں یا مصیبتیں جس طرح گھنٹہ دو گھنٹے رہتی ہیں اگر مستمر ہو جائیں تو جو شخص ادن مصیبتوں میں مثلاً مبتلا رہتا ہے اوسکی نسبت وہ واقعی ہوں یا خیالی۔ لوگ تو یہی کہیں گے کہ وہ سب خیالی ہیں مگر اوسکے دل سے پوچھئے تو معلوم ہو کہ جس قدر اس عالم میں مصیبتوں کا وجدان اور صدمہ ہوتا ہے اوسی قدر وہاں اون مصیبتوں کا صدمہ اور وجدان ہوتا ہے پھر خیالی کہنے سے اوسکو کیا نفع۔

اب غور کیجئے کہ جب ہم نے ایک ایسے عالم کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا کہ جسمیں ہر قسم کی جسمانی لذتیں اور مصیبتیں اور ایسے عجائب وغرائب اشیا ہیں جن کا وجود اس عالم محسوسات میں نہیں اور من وجہ اس عالم محسوسات کے وہ مشابہ ہیں اور من وجہ مخالف تو ہم اگر عالم آخرت کو باور کرلیں کہ بعضے امور میں وہ اس عالم کے مشابہ ہے اور بعض میں مخالف اور وہاں ایسے عجائب وغرائب امور ہیں کہ نہ کبھی دیکھے گئے نہ سنے گئے تو عقل کو اوس کے باور کرنے میں کیا تامل ہے خصوصاً جب خالق عالم نے خبر دی ہے جس کے وجود اور قدرت اور صدق کو ہم نے مان لیا ہے۔ اگر باوجود اسکے ہم اوسمیں نعوذ باللہ شک کریں تو ہم ہرگز اسکے مستحق نہیں ہوسکتے کہ مسلمان کہلائیں۔

ایک گروہ حکما جزا وسزاے اعمال کا قائل تو ہوگیا مگر اونھوں نے دیکھا کہ آدمی کے

جزا وسزاے اعمال کا عقلی طور پر ثبوت

مرتے ہی اوس کا جسم علیحدہ اور فنا ہوجاتا ہے اور روح باقی رہتی ہے اسلئے وہ صرف تلذذ اور
تألم روحانی کے قائل ہوئے کہ کمال حاصل کرنے سے روحانی لذت ہوتی رہے گی اور نہ حاصل
کرنے سے روح کو افسوس ہوتا رہیگا جو ایک قسم کا الم ہے اور جزا دینے والے کی قدرت اور
حکمت اور عدل کا کچھ خیال نہ کیا۔ دیکھئے ایک شخص ہے کہ امتثال امر الٰہی کی غرض سے
عمر بھر حرام کے مال سے احتراز کرتا رہا اور باوجود خواہش نفسانی کے کسی اجنبی عورت کے
طرف رُخ نہ کیا اگر اوسکی جزا اسی قدر ہو کہ ہمیشہ اسی خیال پر نازاں رہے کہ مینے مصیبتیں
اٹھا کر کمال حاصل کیا تو کیا یہ بھی کوئی جزا ہوئی بلکہ تعجب نہیں کہ یہی خیال اوسکا وبال جان
ہوجائے اس لئے کہ اون امور کے ارتکاب کی لذت اور ترک کا الم دونوں اوسکے وجدانی
امر ہیں ممکن ہے کہ اون لذتوں کے فوت ہونے پر اوسکو افسوس اور حسرت ہو کہ ایسی لذت کو
میں نے کیوں ترک کیا۔ بخلاف اسکے جس قسم کی جسمانی لذتوں کو اوس نے ترک کیا اوسی قسم
کی اعلیٰ درجہ کی لذتیں حق تعالیٰ اپنے قدرت بالغہ کے مناسب اوسکو عطا فرماوے تو کس قدر
مطابق عقل اور قرین انصاف ہوگا۔ مثلاً جس نے امتثال امر الٰہی کی غرض سے باوجود
خواہش نفسانی کے اجنبی عورتوں سے احتراز کیا تو مقتضائے قدرت الٰہی عقلاً یہ ہونا چاہئے
کہ اپنے کمال قدرت سے ایسی عورتیں اوسکے لئے پیدا کرے جو دنیا میں اوسکی کسی نے
نہ دیکھا ہو اور نیز مقتضائے حکمت و قدرت یہ ہوگا کہ ایسی قوت اور لذت اوسمیں
پیدا کرے کہ اوسکے حاشیۂ خیال میں نہو۔ اسی طرح جس نے خدا کے حکم کی کچھ پروا نکر کے
لوگوں کا مال مثلاً کھایا اوسکے لئے عقلاً یہی مناسب ہوگا کہ ایسی بُری چیزیں اوسے
کھلائی جائیں جس کے درد و الم کا کسی کو خیال تک نہ آیا ہو۔ الحاصل فرماں برداری
و نافرمانی جن اعضا سے کی گئی جزا و سزا میں تلذذ و تألم اونہیں اعضا کا ملحوظ رہنا

عقلاً قرین انصاف ہے۔ اسی کو حق تعالیٰ جَزَاءً وِفَاقًا فرماتا ہے۔ غرضکہ حق تعالیٰ قادر مطلق ہے۔ جنتیوں کے ایسے اجسام بنائیگا کہ تلذذ جسمانی اونکے ذریعہ سے اعلیٰ درجہ کا حاصل ہو اسطرح دوزخیوں کے اجسام بھی ایسے بنائیگا کہ اون سے الم جسمانی انتہائی درجہ کا ہو اور علاوہ اسکے روحانی اکتسابات کے معاوضہ میں روحانی تلذذ اور تالم جداگانہ مستقل طور پر حاصل ہونگے۔

یوں تو خدائے تعالیٰ قادر تھا کہ نفس کی مرغوب چیزوں کے سوا ایسی چیزیں جزائے اعمال کے لئے معین فرماتا جن سے کمال درجہ کا تلذذ روحانی آدمی کو حاصل ہو اسی طرح سزا کا بھی یہی طریقہ اختیار فرماتا۔ مگر اون چیزوں کے بیان کرنے سے جو رغبت مقصود ہے حاصل نہ ہوتی دیکھئے اگر نامرد سے وعدہ کیا جائے کہ تم فلاں کام کروگے تو کسی باکرہ لڑکی کے ساتھ تمھارا نکاح کردیا جائیگا۔ تو کیا اس وعدہ سے اوسکو رغبت ہوگی ہرگز نہیں وہ یہی کہیگا کہ حضرت نہ مجھے اوس لڑکی کی ضرورت ہے نہ اس بیکار چیز کے واسطے اس کام میں تضیع اوقات کرسکتا ہوں اسی پر تخویف کا حال خیال کرلیجئے۔ اسلئے حق تعالیٰ نے جزا و سزا اور ترغیب و ترہیب میں اونہی چیزوں کو بیان فرمایا کہ جن سے آدمی کو کمال درجہ کی لذت یا اذیت ہوتی ہے اب رہی یہ بات کہ لذات جسمیہ کے خیال سے عبادت کرنے کو بزرگان دین جایز نہیں رکھتے اور کہتے ہیں کہ خدائے تعالیٰ خود مستحق عبادت ہے۔ اس لئے بلالحاظ معاوضہ عبادت ہونی چاہئے اور اسی بنا پر کسی شاعر نے لکھا ہے۔ **شعر**

حور کے واسطے زاہد نے عبادت کی ہے	لطف تو جب ہے کہ جنت میں نجانے پاوے

سو یہ مسئلہ دوسرا ہے۔ اسمیں حور اور تمام نعمتیں برابر ہیں یہانتک کہ اگر دیدار الٰہی کے خیال سے عبادت ہو تو وہ بھی معاوضہ ہوا پھر معاوضہ بھی کیسا کہ التذاذ اور لطف میں سب معاوضوں سے بڑھا ہوا ہے اس مسلک پر چاہئے کہ عبادت سے دیدار الٰہی بھی مقصود نہو

چنانچہ کسی بزرگ کا قول ہے۔ **شعر**

خواہی نہ اگر وصل ازاں نیز گذشتیم	از بہر وصال تو ز ہر چیز گذشتیم

مگر یہ مسلک عام طبیعتوں کے مناسب نہیں۔ دیکھئے اگر حق تعالیٰ اس مسلک کے لحاظ سے
جنت و دوزخ کی خبر نہ دیکر فرماتا کہ بلالحاظ جزا و سزا تم عمر بھر عبادت کئے جاؤ تو کیا عقلی طور
پر یہ کلام نتیجہ بخش ہوتا؟ البتہ چند حضرات جن کو خدائے تعالیٰ کے ساتھ خصوصیت ہے وہ تو
عبادت کرتے۔ باقی لوگ یہی کہتے کہ جب کوئی جزا و سزا ہی نہیں تو پھر اس جان فشانی
اور محنت شاقہ اٹھانے کی ضرورت ہی کیا۔ غرضکہ مقتضائے عقل یہی تھا کہ عبادت کرنے
اور نہ کرنے پر جزا و سزا اور ترغیب و ترہیب ہو اور ترغیب بھی ایسی چیزوں کی ہو جو نفس کو
اون سے کمال درجہ کی رغبت ہو اور ترہیب میں بھی وہ چیزیں بیان ہوں جن سے
اعلیٰ درجہ کا خوف ہو۔

ترغیب و ترہیب سے بہت بڑا فائدہ یہ ہوا کہ جس کام پر کسی نعمت کا وعدہ دیا گیا اوس سے
یہ ضرور ثابت ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ کو وہ کام پسند ہے۔ اور اوس کا کرنا باعث رضا و خوشنودی
الٰہی ہے۔ اسی طرح جن کاموں پر تخویف کی گئی اون سے ناراضی خدائے تعالیٰ کی ثابت ہوتی ہے
اس لئے جن کاموں پر اجر عظیم اور بڑی بڑی نعمتوں کا وعدہ دیا گیا ہے۔ اہل اخلاص اون کو
حدیثوں میں ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر عمل میں لاتے ہیں اور وعید سے متعلق کاموں کو ترک
کرتے ہیں۔ مقصود اس سے یہ کہ اپنا خالق اور مالک راضی ہو اور رضی اللہ عنہم کے وعدہ
کے مستحق ہو جائیں۔ ایک بزرگ صاحب نسبت جنت کی دعا کر رہے تھے کسی نے کہا حضرت
آپ اور یہ دعا فرمایا ہم جنت اسواسطے طلب کرتے ہیں کہ وہاں دیدار الٰہی ہوگا جیسے کوئی
اپنے دوست کا مکان ڈھونڈتا ہے جس سے مقصود صاحب مکان ہوتا ہے۔ غرضکہ لوگ

جنت کے لذائذ کی رغبت اور آفات دوزخ کے خوف سے عمل کرتے ہیں وہ اور مخلصین نفس عمل میں برابر ہیں صرف مقاصد کا فرق ہے۔ چونکہ آدمی بالطبع اپنی آسایش چاہتا ہے اور مصیبتوں سے بھاگتا ہے اس لئے عام اہل ایمان اسی درجہ میں ہیں۔ اور اونکو عمل کرنے پر مجبور کرنیوالے خوف و رجا ہیں۔ جن کا منشا ایمان ہے یعنے جب اونکو یقین ہوتا ہے کہ ہمیں مرنیکے بعد ہمیشہ اوس عالم میں رہنا ہے اور اچھے کام کریں تو جنت ملیگی ورنہ دوزخ۔ تو ناگزیر اونکو عمل کرنا پڑتا ہے۔ اور جس کو ایمان یعنے یقین بھی نہ ہو تو وہ عمل کو فضول سمجھے گا۔ کہنے کو تو ہر شخص یہی کہتا ہے کہ مجھے یقین ہے۔ مگر یقین وہ ہے جس پر آثار مرتب ہوں۔

یہ بات پوشیدہ نہیں کہ اگر حکم شاہی کسی کے قتل کے لئے نافذ ہوا اور اوسکو معلوم بھی ہو جائے کہ میں دو تین روز میں قتل کیا جاتا ہوں تو اوس کے دل کی کیا حالت ہوگی اور اسکے افعال و حرکات کس قسم کے ہونگے؟ اگرچہ اوس کے گھر میں ہر قسم کے عیش و عشرت کے سامان مہیا ہوں اور نفیس نفیس غذائیں اوسکے روبرو رکھی جائیں اور عمدہ عمدہ لباس پیش کئے جائیں مگر اوس کی توجہ کسی کی طرف نہ ہوگی۔ اسکی کیا وجہ ہے؟ ادنی تامل سے معلوم ہو سکتا ہے کہ تمام عیش و عشرت راحت و مسرت کا مدار دل کی فرحت پر ہے اور جب دل ہی میں اوس قتل کے یقین نے گھر کر لیا تو اوسکے دل میں فرحت کو جگہ ہی کہاں جس سے عیش و عشرت کا لطف اوٹھا سکے۔ اسی وجہ سے حق تعالی فرماتا ہے اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الْفَرِحِیْنَ ط یعنے خدائے تعالی فرحت والوں کو دوست نہیں رکھتا کیونکہ فرحت کا بے خوفی لازمہ ہے جس سے ناشائستہ حرکات کا صادر ہونا ضروری ہے غرضکہ جب شخص مذکور بااقتضائے حالت و طبیعت کھانے پینے اور عیش و عشرت کی طرف رغبت نہ کرے تو اوس پر یہ الزام لگانا بے موقع ہوگا کہ اوس نے رہبانیت اختیار کی ہے

رہبانی حالت کی تعریف

جو شرع شریف میں مذموم ہے اگر اوسکو حدیث لَا رُهْبَانِيَّةَ فِي الْإِسْلَامِ سنائی جائے تو وہ مرد رو کر کہیگا کہ حضرت یہ صحیح ہے مگر دل جو قابو میں نہیں اوسکا کیا علاج ؟ اسی پر قیاس کر لیجئے کہ جس طرح حکم شاہی کا یقین اس حالت تک پہونچا دیتا ہے۔ اسی طرح جسکو خدا و رسول کے کلام کا یقین اوس درجہ کا ہو جو شخص مذکور کو ہے ضرور اوسکو عمل پر مجبور کریگا اور اگر یقین ہی نہ ہو تو ایمان صادق نہیں آسکتا۔ اسلئے کہ ایمان یقین ہی کا نام ہے جس پر آثار مرتب ہوتے ہیں چنانچہ حدیث شریف میں ہے الیقین الایمان کلہ کنز العمال کی کتاب الاخلاق میں روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے اپنی امت پر کسی بات کا خوف نہیں سوائے ضعف یقین کے یعنے ڈر ہے تو یہی ہے کہ کہیں اونکے یقین میں ضعف نہ آجائے۔

اور نیز اوسی میں یہ روایتیں ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خدا سے حسن یقین مانگا کرو۔ اور جس طرح قرآن سیکھتے ہو یقین بھی سیکھا کرو۔ یہ حدیثوں کا مضمون تھا اب قرآن شریف بھی دیکھ لیجئے حق تعالیٰ فرماتا ہے وَهُمْ بِالْآخِرَةِ هُمْ يُوقِنُونَ أُولَٰئِكَ عَلَىٰ هُدًى مِنْ رَبِّهِمْ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ترجمہ وہ لوگ یعنے متقین آخرت کا یقین کرتے ہیں وہی ہدایت پر ہیں اور وہی رستگاری پانے والے ہیں " یہ آیۂ شریفہ قرآن شریف کی ابتدا میں پہلے ہی رکوع میں ہے تاکہ پہلے پہل ہر مسلمان کی نظر اوس پر پڑے اور سمجھ جائے کہ ہدایت اور رستگاری بغیر یقین کے ممکن نہیں اسلئے اوسکے درست کرنیکی فکر میں لگا رہے جس پر آثار مرتب ہوں۔

روض الریاحین میں امام یافعی رح نے لکھا ہے کہ بادشاہ وقت نے شاہ کرمانی رح کی لڑکی کا پیام کیا آپ نے تین روز کی مہلت چاہی اور مسجدوں میں صلحا کی تلاش کو نکلے کسی مسجد میں ایک نوجوان لڑکے کو دیکھا کہ نہایت خشوع و خضوع سے نماز پڑھ رہا ہے بعد نماز اوس سے

نور الدین

پوچھا کیا تم نے نکاح کیا ہے؟ کہا نہیں۔ فرمایا ایک لڑکی قرآن پڑھی ہوئی نمازی اور روزہ دار
ہے اور باوجود ان صفات کے خوبصورت بھی ہے کیا اوسکو نکاح کروگے؟ کہا ایسی لڑکی کون دیگا
فرمایا میں دیتا ہوں جاؤ اور ایک درہم کی روٹی اور ایک درہم کا سالن اور ایک درہم کی
خوشبو خرید لاؤ اس سے زیادہ کی ضرورت نہیں لڑکا وہ خرید لایا اور آپنے اپنی صاحبزادی
کو نکاح کرکے اوس کے گھر روانہ کر دیا۔ دُلہن جب دُلھے کے گھر گئی تو دیکھا کہ سوکھی
روٹی کا ٹکڑا کہیں رکھا ہے پوچھا یہ روٹی کیسی؟ کہا کل میں اوسمیں سے کچھ کھا کر آجکے
افطار کے لئے یہ ٹکڑا اوٹھا رکھا تھا یہ سنتے ہی صاحبزادی نے اپنے گھر کی راہ لی۔ دُلھے نے
کہا میں جانتا تھا کہ شاہ کرمان کی لڑکی قناعت کرکے مجھ فقیر کے گھر میں نہ رہیگی۔ صاحبزادی نے
کہا شاہ کرمان کی لڑکی تمھارے فقر کی وجہ سے واپس نہیں جاتی بلکہ تمھارا ضعف یقین
اوسکو گھر سے نکال رہا ہے۔ مجھے تم سے تعجب نہیں اپنے والد بزرگوار سے تعجب ہے جو انھوں
نے کہا تھا کہ ایک جوان عفیف کے ساتھ میں نے تمھارا نکاح کر دیا ہے بھلا ایسا شخص عفیف
ہو سکتا ہے جس کو بغیر روٹی کے خدا پر اعتماد نہو۔ دُلھے نے کہا میں اسکی معذرت چاہتا ہوں
کہا عذر کا حال تم جانو میں تو اوس گھر میں نہیں رہ سکتی جہاں کھانے کی کوئی چیز پڑی ہے۔
یا روٹی رہے گی یا میں رہونگی۔ اونھوں نے روٹی فقیر کو دیدیا اور قصہ فیصل ہوگیا دیکھئے
یوں لڑکپن سے یقین کی تعلیم ہوا کرتی تھی۔

شیخ اکبر رح نے فتوحات مکیہ کے باب ۳۶ میں اپنا چشم دید واقعہ لکھا ہے کہ ابو العباس
سبطی رح کے پاس ایک شخص نے اپنے فقر و فاقہ کی شکایت کی۔ فرمایا نکاح کرو۔ اوس نے
نکاح کیا۔ پھر کئی روز کے بعد آکر کہا حالت سابقہ میں کچھ فرق نہ آیا۔ آپنے فرمایا دوسرا
نکاح کرو اوس نے دوسرا نکاح کیا جب بھی دیکھا کہ ہنوز آش در کاسہ ہے۔ چند روز

کے بعد پھر شکایت کی فرمایا تیسرا نکاح کرو چونکہ مرید صادق تھا اس بار بھی امتثال امر کیا دیکھا کہ اور مصیبت بڑھ گئی یک نہ شد دو شد سہ شد کا مضمون صادق ہے پھر شکایت کی فرمایا چوتھا نکاح کرو اوس نے بغیر کسی عذر و حیلہ کے چوتھا نکاح بھی کرلیا شیخ نے فرمایا اب کمال ہوگیا۔ چنانچہ اوسکے بعد خدائے تعالیٰ نے اوسکو غنی کردیا حالانکہ عورتیں سب فقیرنیاں تھیں انتہے۔ آپنے مرید کے یقین کو دیکھ لیا کہ شکایت فقر کی ہو رہی ہے اور پیر صاحب فرماتے ہیں نکاح کرلو یعنے اور محتاج بنو پھر ایک نہیں دو نہیں تین نہیں چار فقیرنیاں جب اس فقیر کے سر ہوگئی ہونگی تو اوس بیچارے کی کیا حالت ہوگی؟ ہر وقت گدا بر گدا لعنت خدا کا مضمون پیش نظر رہتا ہوگا۔ مگر واہ رے خوش اعتقادیہ بھی تو نہ کہا کہ حضرت آپ یہ کیا کر رہے ہو۔ میں خود فقر سے مر رہا ہوں انکو کہاں سے کھلاؤں اب پیر صاحب کے یقین کا حال دیکھئے اونھوں نے دیکھا کہ قرآن شریف میں ہے وانکحوا الایامیٰ منکم والصالحین من عبادکم وامائکم ان یکونوا فقرآء یغنھم اللہ من فضلہ یعنے جو مرد اور عورتیں تم میں ایسے ہوں جنکے جوڑے نہوں اونکا اور نیکبخت غلام اور لونڈیوں کا نکاح کردو اگر وہ فقیر ہوں تو اللہ تعالیٰ اونکو اپنے فضل سے غنی کردیگا انتہے۔

وہ جانتے تھے کہ حالت افلاس میں نکاح دُھری مصیبت اور سراسر خلاف عقل ہے مگر اونکو اس وعدہ کا ایسا یقین تھا کہ اوسمیں شک اور احتمالات عقلیہ کو ذری بھی گنجایش نہ ملی اور سمجھتے تھے کہ یہ تاخیر فقط اعتقاد کی آزمایش کی غرض سے ہے۔ اس لئے آخری حد یعنے چار تک پہونچا دیا۔ جب پیر و مرید آزمائش میں پورے اُترے اوسوقت حق تعالیٰ نے اپنا وعدہ پورا فرمایا۔

اسی قسم کا واقعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں بھی پیش آیا تھا چنانچہ

بخاری اور مسلم میں ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آکر عرض کیا کہ میرے بھائی کا پیٹ جاری ہو گیا ہے۔ فرمایا شہد پلاؤ دوبارہ آکر عرض کیا کہ پلایا مگر کچھ نفع نہیں ہوا۔ فرمایا پھر پلاؤ۔ پھر پلایا مگر پھر بھی کچھ نفع نہ ہوا پھر وہی ارشاد ہوا آخر تیسرے یا چوتھے بار میں فرمایا اللہ تعالیٰ سچ کہتا ہے اور تمھارے بھائی کا پیٹ جھوٹا ہے۔ پھر شہد ہی پلاؤ اس بار کے پلانے میں صحت ہو گئی۔

ہر چند امام ذہبی اور ابن قیم وغیرہ نے اسکی توجیہ میں اصول طبیہ سے مدد لی ہے مگر اصل بات یہ تھی کہ حق تعالیٰ نے شہد کے باب میں فیہ شفاء للناس فرمایا ہے اس لحاظ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بار بار شہد ہی پلانے کو فرماتے تھے اور شفا میں تعویق ہونے کی وجہ یہی معلوم ہوتی ہے کہ صحابی کے یقین کا امتحان مقصود تھا۔ غرضکہ ہمارے دین میں یقین ایک ضروری چیز ہے اسی وجہ سے صوفیائے کرام کو خاص قسم کی توجہ اوس کے حاصل کرنے کے طرف تھی اور اس باب میں وہ تمام فرق اسلامیہ میں ممتاز ہیں جیسا کہ کتب تصوف اور ان حضرات کے تذکروں سے واضح ہے۔

یہ بات ہر شخص جانتا ہے کہ یقین ایک کیفیت قلبی کا نام ہے جسکی نوعیت وجدان سے معلوم ہوتی ہے۔ مثلاً کوئی بوٹی کھانے سے آدمی مرجاے تو دیکھنے والے کو ابتدا میں احتمال ہوگا کہ شاید وہ بوٹی زہریلی ہو پھر جب دس بیس آدمی اوسکے روبرو کھائیں اور وہ سب مرجائیں تو وہ احتمالی کیفیت زائل ہو کر ایک ایسی کیفیت دل میں پیدا ہوگی کہ جسکی وجہ سے آدمی وہ بوٹی نہ خود کھائیگا اور نہ کسی کو کھانے دیگا۔ اور اگر کھانے دیگا تو اوسی کو جس کا مرنا منظور رہو۔ یہ اوس کیفیت کا اثر ہے جو اوسکے دل میں اوس بوٹی کی تاثیر کی نسبت پیدا ہوئی تھی اس قسم کی کیفیت محسوسات میں تو آدمی بذریعۂ

معنی واعبد ربک حتی یاتیک الیقین

تجربہ وغیرہ اپنے اختیار سے حاصل کر سکتا ہے مگر جو چیز محسوس نہو اوسکے نسبت یہ کیفیت پیدا کرنا
آدمی کے اختیار سے خارج ہے کیونکہ عقل ایسی باتیں تلاش کرتی ہے جنکی وجہ سے یقینی کیفیت
پیدا نہ ہونے پائے یہی وجہ ہے کہ بہت سے لوگ خدائے تعالی کے وجود کے قائل ہی نہیں
اور عالم کا کام مادہ اور اجزائے دمیقراطیسی سے متعلق کر دیا کہ جتنی چیزیں پیدا ہوتی ہیں مادہ
کے انقلابات کا اثر ہے۔ ہر چند اسکے رد میں بہت سارے دلائل بیان کئے جاتے ہیں مگر
اونکی عقلیں اون دلائل کے جوابات بھی تراش لیتی ہیں۔ غرضکہ غیر محسوس امور کا یقین حاصل
کرنے میں عقلیں قاصر ہیں۔ جبتک منجانب اللہ وہ کیفیت دل میں ڈالی نہ جائے یقین حاصل
نہیں ہو سکتا اسی وجہ سے حق تعالی فرماتا ہے (افمن شرح اللہ صدرہ للاسلام
فھو علی نور من ربہ جس کا مطلب یہ ہے کہ حق تعالی کی طرف سے شرح صدر اور انکشاف
نورانی ہوتا ہے جس سے آدمی اسلام کو قبول کرتا ہے۔ اوسکے بعد عقل اوس پر دلائل بھی
قایم کر لیتی ہے پھر اس شرح صدر کے مدارج مختلف ہیں اسلئے کہ جو شرح صدر انبیا علیہم السلام
کو ہوا تھا ممکن نہیں کہ عوام الناس کو ہو اسی وجہ سے یقین کے مدارج مختلف ہیں دیکھئے
خدا یتعالی کی ذات وصفات و آیات کا یقین جو انبیا علیہم السلام اور اولیاء کرام کو ہوتا ہے
اوس پر وہ آثار مرتب ہوتے ہیں جو عوام الناس کے یقین پر نہیں ہو سکتے۔ ہر چند اس قسم کا
ضعیف الیقین شخص بھی مسلمان سمجھا جائیگا مگر ضعف یقین کی وجہ سے اکثر وہ امور اس سے
سرزد ہونگے جو خلاف مرضی الہی ہیں جسکے باعث آدمی مستحق عذاب ہوتا ہے بخلاف کامل الیقین
حضرات کے کہ اونکو ہر وقت حق تعالی اور اوسکی ذات وصفات اور جزا و سزا کا گویا
مشاہدہ رہتا ہے جس سے خلاف مرضی الہی امور کا ارتکاب محال یا دشوار ہو۔ چونکہ اسلامی
دنیا میں یہ درجہ نہایت بلند اور مقصود بالذات ہے اوسکو حاصل کرنے کی یہ تدبیر بتائی گئی

کہ عبادت الٰہی جہانتک ہوسکے زیادہ کیجائے کیونکہ عبادت کے معنی خضوع وتذلل کے ہیں اور
تذلل کے معنی لغت میں فرماں بردار ہونیکے ہیں جب آدمی خدائے تعالیٰ کے روبرو عاجزی کیسے
اور اعمال واعتقادات میں فرماں بردار رہے توامید قوی ہے کہ حق تعالیٰ اسکے صلہ میں اوسکو
وہ یقین عطا فرمائیگا جسکی وجہ سے کوئی امر خلاف مرضی الٰہی صادر نہو چنانچہ ہر شخص کو ارشاد
ہورہا ہے قولہ تعالیٰ واعبد ربک حتی یاتیک الیقین یعنے عبادت کیا کرو تا کہ خدا کیطرف
سے وہ یقین تمھیں عطا ہو جسکی وجہ سے مرضی الٰہی کے مطابق تم سے اعمال وافعال صادر ہوں
اور عبادت یقین کے ساتھ ہونے لگے جسکا حکم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث صحیح
میں فرمایا ہے واعبد ربک کانک تراہ یعنے عبادت اس یقین کے ساتھ کیا کرو گویا خدائے تعالیٰ
کو تم دیکھ رہے ہو شریعت میں اسکو احسان کہتے ہیں جیسا کہ اس روایت سے ثابت ہے
جو مشکوٰۃ شریف کی کتاب الایمان میں بخاری اور مسلم سے منقول ہے کہ عمرؓ کہتے ہیں کہ ہم ایک
روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خدمت میں حاضر تھے ایک شخص نہایت سفید لباس
پہنا ہوا آکر حضرت کے روبرو زانو سے زانو ملا کر بیٹھ گیا اور پوچھا کہ اسلام کیا چیز ہے
حضرت نے فرمایا کہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کی شہادت دینی اور نماز زکوٰۃ روزے
اور استطاعت ہو تو حج ادا کرنا۔ کہا آپنے سچ کہا پھر پوچھا ایمان کیا چیز ہے فرمایا یقین کرنا
اللہ کا اور اوس کے ملائکہ اور کتابوں اور رسولوں کا اور یقین کرنا اسکا کہ خیر وشر اللہ
ہی کی طرف سے ہے کہا آپنے سچ کہا۔ پھر پوچھا احسان کیا چیز ہے فرمایا ان تعبد اللہ
کانک تراہ فان لم تکن تراہ فانہ یراک یعنے ایسی طور پر عبادت کرو کہ گویا تم
اسکو دیکھ رہے ہو کیونکہ اگر تم اسکو نہیں دیکھتے تو وہ تمھیں دیکھ رہا ہے جب وہ شخص
چلا گیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا کیا تم جانتے ہو کہ یہ سوال کرنیوالے

حدیث واعبد ربک کانک تراہ۔

اسلام ایمان احسان

کون تھے ہیں نے کہا اللہ ورسولہ اعلم فرمایا وہ جبرئیل تھے تم لوگوں کو دین کی تعلیم کرنیکی غرض سے آئے تھے انتہی ملخصاً

اس ارشاد سے صاف ظاہر ہے کہ اعلیٰ درجہ کا یقین اور مشاہدہ حاصل ہونیکے بعد بھی عبادت کرنیکا حکم ہے بلکہ عبادت اسی قسم کے یقین کے ساتھ کرنیکی ضرورت ہے غرضکہ آیۂ شریفہ واعبد ربک حتےٰ یاتیک الیقین سے درجۂ احسان کے طرف اشارہ ہے جو درجہ ایمان سے بالاتر ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کسی کو یقین نہیں ہوسکتا باوجود اسکے حضرت سب سے زیادہ عبادت کرتے تھے جس کا حال تمام اکابر صوفیہ قدست اسرارہم اپنے کتابوں میں ذکر فرماتے ہیں۔

ادنیٰ تامل سے یہ بات معلوم ہوسکتی ہے کہ جب خدائے تعالیٰ کی ذات اور صفات کے یقین سے عبادت یعنے خضوع اور تذلل کی ضرورت ہو تو یقین کے بعد تو بطریق اولی ضرورت ہوگی۔کیا یہ ہوسکتا ہے کہ جسکو خدائے تعالیٰ کی ذات وصفات کا یقین اعلیٰ درجہ کا ہو اور وہ اپنے خالق اور مالک کے روبرو عاجزی اور تذلل نہ کرکے خودسری اختیار کرے اور یہ کہے کہ میں تو کبھی اُسکے روبرو سر نہ جھکاؤنگا۔ہاں یہ بات دوسری ہے کہ بےخود ہوجائے اور اسکو نہ اپنا خیال رہے نہ کھانے پینے وغیرہ حوائج کا ایسے شخص کو مجذوب کہتے ہیں اور وہ مثل شیرخوار لڑکوں کے مرفوع القلم ہوجاتا ہے مگر اس حالت کو یقین سے کوئی تعلق نہیں کیونکہ یقین سمجھ سے متعلق ہے جیسے آفتاب کے روشن ہونے کا آدمی کو یقین ہوتا ہے اور باوجود اسکے یہ نہیں کہ سکتے کہ وہ ازخود رفتہ اور مرفوع القلم ہوگیا اسلئے کہ اسکی سمجھ بوجھ باقی ہے۔غرضکہ جبتک آدمی

میں سمجھ اور عقل باقی ہے کیسا ہی اعلی درجہ کا یقین ہو مرفوع القلم نہیں ہو سکتا بلکہ اس یقین کی
بدولت وہ سب سے زیادہ عبادت کرتا ہے اسیوجہ سے جتنے اکابر صوفیہ گذرے ہیں سب نے
عبادت میں اعلی درجہ کی جانفشانیاں کیں۔

الحاصل ان حضرات کے اصول وہی ہیں جو شریعت میں مصرح ہیں مگر اونکے یہاں اصل
اصول عمل ہے۔ جس طرح علما کو ذخیرہ علمی بڑھانیکی طرف توجہ ہے ان حضرات کو اعمال کا
ذخیرہ بڑھانیکی فکر رہتی ہے کیونکہ قرآن شریف میں ہر جگہہ ایمان کے ساتھ عمل کا ذکر ہے
اور جنت بھی بظاہر جزائے اعمال ہی معلوم ہوتی ہے جیسا کہ ارشاد ہے قولہ تعالی تِلْكَ الْجَنَّةُ
الَّتِي أُورِثْتُمُوهَا بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ اور سب سے بڑی بات یہ کہ حق تعالی فرماتا ہے
قُلْ إِن كُنتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ یعنے کہو
اون سے اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کہ اگر تم اللہ کو دوست رکھتے ہو تو میری اتباع کرو جس سے
خدائے تعالی تمھیں دوست رکھیگا اور تمھارے گناہ بخشدیگا انتہے۔

کسی مذہب وملت والا خواہ ہندو ہو یا یہودی وغیرہ ایسا نہو گا جسکو خدائے تعالی کی
دوستی کا دعوی نہو اس لئے کہ کوئی تھوڑا بھی احسان کرتا ہے تو آدمی اوسکو دوست رکھتا ہے
چہ جائیکہ خدائے تعالی کے احسان جس نے عدم سے وجود میں لایا اور تمام حواس و قوی دیئے
جنمیں سے ایک ایک لاقیمت چیز ہے۔ ممکن نہیں کہ کوئی معمولی عقل والا بھی خدا کو دوست
نہ رکھے گو محبت میں مدارج ہوں مگر بلحاظ دعوی اس باب میں سب برابر ہیں مگر اصل فضیلت
یہ ہے کہ آدمی خدائے تعالی کا محبوب بنے اوسکی تدبیر خدائے تعالی نے یہ بتائی کہ نبی کریم
صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کرو تو تم ہمارے محبوب ہو جاؤ گے اب جو اہل اسلام میں عقلمند لوگ
تھے انھوں نے ہمت کرلی کہ ہر چہ بادا باد ہم حضرت کی اتباع اور پیروی اس طرح کرینگے

...وفی کا اصل اصول ...یعت پر عمل کرنا ہے

...اتباع نبوی کا محبوبیت ...کا درجہ ملتا ہے

حضرت کی تنگی گذران

کہ جو کچھ حضرت نے کیا اور فرمایا اوسمیں سرمو فرق نہ آئے خواہ دنیا میں تکلیف ہو یا ذلت پہلے اونھوں نے حضرت کی طرز معیشت پر نظر ڈالی دیکھا کہ باوجودیکہ حبیب رب العالمین اور مقصود کائنات ہیں مگر فقر فاقہ کے اعلی درجہ میں آپکا مقام ہے۔

مواہب لدنیہ میں بخاری او رمسلم سے نقل کیا ہے کہ عائشہ رضی اللہ عنہا قسم کھا کر کہتی ہیں کہ متصل تین تین مہینے اس حالت میں گذرجاتے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی بیوی کے گھر میں آگ سلگنے کی نوبت نہیں آتی تھی عروہ رح نے پوچھا پھر کھاتے کیا تھے فرمایا کھجور اور پانی پر گذران تھی۔ اور مسلم میں روایت ہے سارا سارا دن گذرجاتا تھا اور مارے بھوک کے حضرت پیچ وتاب کھاتے تھے مگر ادنی درجہ کے چھوہارے بھی اتنے نہیں کہ اونسے سیری ہوسکے۔ ترمذی میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ پے درپے کئی راتیں ایسی گذرجاتی تھیں کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت کے سب گھر والے بھوکے سوتے تھے مسلم وغیرہ میں روایت ہے کہ ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایسے وقت برآمد ہوئے کہ اوسوقت برآمد ہونیکی عادت نہ تھی اتفاقاً ابوبکر صدیق اور عمر رضی اللہ عنہما بھی اوسوقت آگئے حضرت نے اون سے خلاف عادت آنیکا سبب دریافت فرمایا عرض کیا الجوع یا رسول اللہ یعنے بھوک شدت سے لگی ہے آپنے فرمایا میری بھی یہی حالت ہے پھر اونکو لیکر حضرت ایک انصاری کے مکان پر تشریف لیگئے اونھوں نے ان حضرات کو دیکھتے ہی خدا کا شکر بجا لاکر کہا کہ آج مجھ جیسا خوش قسمت دنیا میں کوئی نہیں جس کے گھر ایسے مہمان ہوں اور ایک بکری ذبح کی اور روٹی اور گوشت پیش کیا آپنے ایک روٹی پر تھوڑا سا گوشت رکھکر فرمایا یہ فاطمہ (رضی اللہ عنہا) کے یہاں لیجاؤ کئی روز سے اونھیں کو نہیں ملا بعد فراغت حضرت نے فرمایا کہ اس نعمت سے بھی قیامت کے روز سوال ہوگا۔ ترمذی میں روایت ہے کہ ابوطلحہ

رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک روز ہم کئی شخصوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ہمیں اسوقت اسقدر بھوک لگی ہے کہ پیٹ پر پتھر باندھنے کی ضرورت ہوئی چنانچہ ہر ایک نے ایک ایک پتھر دکھلایا حضرت نے اپنا قمیص مبارک اٹھایا تو دو پتھر شکم مبارک پر بندھے تھے۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک روز میں حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا دیکھا کہ خلاف عادت بیٹھ کر نماز ادا فرما رہے ہیں میں نے استفسار حال کیا فرمایا بھوک کی وجہ سے میں کھڑے نہیں رہ سکتا ابو ہریرہ کہتے ہیں کہ یہ سن کر میں بے اختیار رو دیا۔ بخاری اور مسلم وغیرہ میں عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے آپ فرماتی ہیں کہ انتقال کے قریب حضرت نے اپنے گھر والوں کے لئے ایک دینار کا جو خرید فرمائے تھے جسکے عوض میں زرہ کو گرو رکھنے کی ضرورت ہوئی اسوجہ سے کہ ادائی قیمت کی کوئی تدبیر نہ ہوسکی۔ شفا میں قاضی عیاض رح نے یہ روایت بخاری و مسلم سے نقل کی ہے کہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بستر مبارک چمڑے کا تھا جسمیں بجائے روئی کے لیف (پوست خرما) بھرا ہوا تھا اور حفصہ رضی اللہ عنہا کے مکان میں حضرت کا بستر مبارک وہی ٹاٹ تھا جو ہمیشہ بچھا رہتا تھا آرام کے وقت صرف دوھرا کرلیا جاتا تھا۔ ایک روز صرف چار تہ کر کے بچھایا گیا اوس پر حضرت خفا ہوگئے کیونکہ اوس کی نرمی سے کسی قدر زیادہ استراحت فرمائی اور فرمایا کہ آئندہ عادت کے مطابق دوھرا کردیا کرو اسی قسم کی اور بہت سی روایتیں ہیں جنکا ماحصل یہ ہے کہ حضرت کی گذران بالکل فقیرانہ تھی۔

یہاں یہ خیال نہ کیا جائے کہ حضرت کا فقر اضطراری تھا اس لئے کہ یہ واقعات اوائل اسلام کے نہیں ہیں جو مکہ معظمہ میں سختیوں کا زمانہ تھا بلکہ مدینہ منورہ کے ہیں جہاں انصار نے مہاجرین کو اپنے املاک میں شریک کرلیا تھا جب اونھوں نے مہاجرین سے مال کو دریغ نہ کیا تو

حضرت کا فقر اختیاری تھا

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اونکا کیا حال ہوگا۔ اس زمانہ میں مریدوں کا اعتقاد جیسا
ہوتا ہے معلوم ہے باوجود اسکے اون کے پیر نذرانوں سے امیر بنے رہتے ہیں پھر جب مہاجرین
و انصار جیسے ہزاروں جان نثار حضرت کی خدمت میں ہوں اور وہ سب مفلس بھی نہیں
بلکہ علاوہ ذاتی املاک کے مال غنیمت بھی وقتاً فوقتاً اونمیں تقسیم ہوتا تھا اور اونکا اعتقاد
کی یہ کیفیت کہ ہر وقت اپنے جان و مال حضرت پر نثار کرنے کو مستعد صرف اشارہ پر مال تو
کیا جان دینے کو بھی باعث نجات سمجھتے تھے تو ایسی قوم میں حضرت کی دنیوی حالت کیسی رہنی
چاہئے تھی۔ پھر خود حضرت کی ذاتی حالت بھی کچھ ایسی نہ تھی کہ فقر و فاقہ کی نوبت پہونچتی
بلکہ بفضلہ تعالی علاوہ سلطنت معنوی کے سلطنت ظاہری بھی حاصل تھی جس کا اثر یہ تھا کہ
بے دریغ مال خرچ فرماتے تھے چنانچہ شفا میں صحاح سے یہ روایت منقول ہے کہ حضرت
عائشہ اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ ایسا کبھی نہیں ہوا کہ حضرت سے کسی نے کچھ مانگا
اور آپنے اوسکو نہیں فرمایا ہو چنانچہ حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کا شعر ہے۔

ما قال لا قط الا فی تشھدہ	لولا التشھد لم تسمع لہ لاء

یعنے تشہد میں تو آپنے لا کہا (یعنے لا الہ الا اللہ) اسکے سوا پھر کبھی آپ سے لفظ لا نہیں سنا گیا
جو کسی سائل کے جواب میں فرمایا ہو۔ کیا کوئی ہفت اقلیم کا بادشاہ بھی ایسا ہوا ہے جو کسی
سائل کو محروم نہیں کیا۔ یہانتک تو نوبت پہونچ گئی تھی کہ اگر کوئی شخص کچھ مانگتا اور حضرت کے
پاس کچھ نہ ہوتا تو فرماتے کہ قرض لیلو ہم ادا کر دینگے۔ چنانچہ شفا میں ترمذی وغیرہ سے
نقل کیا ہے کہ کسی شخص نے حضرت سے کسی چیز کی درخواست کی آپنے فرمایا اسوقت میرے
پاس کچھ نہیں ہے مگر تم وہ چیز خرید کر لو ہم اوسکی قیمت ادا کر دینگے عمر رضی اللہ عنہ نے کہا
یا رسول اللہ خدائے تعالی نے یہ تکلیف آپکو نہیں دی کہ جو آپکے پاس نہو اوسکے بھی ذمہ دار

ہوا کریں۔ اسکے سننے سے حضرت کے چہرۂ مبارک پر ناخوشی کے آثار نمایاں ہوے کسی مزاج دان انصاری نے عرض کی یا رسول اللہ آپ خرچ کئے جائیے اور کبھی خوف نہ کیجئے کہ خدا ے تعالیٰ آپکو محتاج کریگا۔ اس کلام سے حضرت کے چہرۂ مبارک پر آثار بشاشت پیدا ہوے اور تبسم کرتے ہوے فرمایا کہ ہاں مجھے بھی ایسا ہی حکم ہے۔ انتہیٰ۔

اس سے ظاہر ہے کہ آیۂ شریفہ ولا تبسطها کل البسط یعنے ہاتھ بالکل کشادہ مت کرو اس کے مخاطب کوئی دوسرے لوگ ہیں جن کا قدم توکل میں راسخ نہیں۔ اگر ایسے لوگ سب مال خرچ کر ڈالیں تو ضرورت کے وقت اونکو پچھتانے کی نوبت آتی ہے اسلئے اونکو پہلے ہی سے منع فرما دیا۔

عرب کی عادت تھی کہ کبھی خطاب مخاطب سے کرتے اور مقصود دوسرا ہوتا۔ چنانچہ اسی قسم کا خطاب یہ ہے جو قرآن شریف میں ارشاد ہے فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا ۝ یعنے اپنے ماں باپ کو تو اف نہ کہہ اور نہ جھڑک اور کہہ اونسے بات ادب کی انتہیٰ۔ ظاہرا خطاب حضرت کی طرف ہے مگر در اصل مقصود دوسرے لوگ ہیں کیونکہ حضرت کے والدین اس خطاب کے وقت زندہ نہ تھے۔

ایک شخص نے حضرت سے سوال کیا اور آپکے پاس کچھ نہ تھا نصف وسق خرما (یعنے ۳۰ صاع) جو تخمیناً تین من پختہ ہوتے ہیں کسی سے قرض لیکر اوسکو عنایت فرمایا جب قرضدار تقاضے کو آیا تو آپنے بجاے آدھے کے ایک وسق دیکر فرمایا کہ نصف وسق ادائی میں لو اور نصف وسق عطیہ ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ حضرت کو فقط دینا ہی دینا مقصود تھا۔

معوذ بن عفراء کہتے ہیں کہ میں نے ایک طبق میں کچھ خرماے تر اور کچھ چھوٹی چھوٹی ککڑیاں رکھکر حضرت کی خدمت میں پیش کیا آپنے اوسکے عوض میں ایک کف بھر سونا عنایت فرمایا

رطب اور ککڑیوں کی مالیت چار چھ آنے سے زیادہ نہو گی مگر اوسکے عوض میں بےحساب نہ دینا ہر کسیکا کام نہیں۔

ایک روز نود ہزار درہم حضرت کے پاس کہیں سے آئے آپ اونکو ایک بوریے پر ڈلوا کر تقسیم کرنے کو کھڑے ہو گئے جس نے جو مانگا دیا۔ یہانتک کہ سب اوسی وقت تقسیم ہو گئے۔

ایک شخص نے حضرت سے بکریاں مانگیں اتنا بڑا ریوڑ بکریوں کا اوسکو دیا کہ دو پہاڑوں کے بیچ کا میدان اوس سے بھرا ہوا تھا۔ چنانچہ ایک شاعر نے اس واقعہ کو نظم کیا ہے۔

واتاه اعرابیا التمس الندی	اعطاه شاء ضمها جبلان

وہ شخص اپنی قوم میں جا کر کہا کہ محمدؐ ایسی بخشش کرتے ہیں کہ فاقہ کا اونھیں کچھ خوف ہی نہیں۔

ایک ایک شخص کو سو سو اونٹ تو آپنے بارہا دیے ہیں۔ قبیلۂ ہوازن کو آپ نے غلام لونڈیاں۔ بکریاں وغیرہ جو بخشش کئے اوسکی قیمت کا اندازہ پچاس کروڑ درہم کا کیا گیا ہے یہ سب روایتیں شفاء میں مذکور ہیں جنکو قاضی عیاض رح نے کتب معتبرہ سے نقل کیا ہے۔

اب دیکھئے کیا کوئی فقیر اتنی بخشش کر سکتا ہے؟ فقیر کو جانے دیجئے کیا کوئی تاریخ داں کسی بادشاہ کو نظیر میں پیش کر سکتا ہے جسکی سخاوت اس حد تک پہونچ گئی ہو ممکن نہیں۔ اسلئے کہ سلاطین تو فقر وفاقہ کو شقاوت سمجھتے ہیں اور کثرت خزائن کو سعادت پھر ایسا کونسا بادشاہ ہوگا جو سعادت کو چھوڑ کر شقاوت حاصل کرے۔ یہ حضرت ہی کا کام تھا کہ جتنا مال آگیا جلدی سے اوسے خرچ کر دیا تاکہ فقر کی دولت بے زوال ہاتھ سے جاتی نہ رہے۔

شفاء میں قاضی عیاض رح نے لکھا ہے کہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی پیٹ بھر کر کوئی چیز نہیں کھائی اور نہ کبھی اسکی شکایت کی حضرت کو غنا سے زیادہ فقر وفاقہ مرغوب تھا۔ بارہا یہ ہوا ہے کہ بھوک کی وجہ سے رات بھر پیچ وتاب کھاتے اور پھر دن کو بھی روزہ رکھتے۔ اگر آپ چاہتے اور دعا کرتے تو روئے زمین کے خزانے

حاصل ہوتے جنسے فراخی عیش بخوبی ہوتی - حضرت کے بھوک کی حالت دیکھ کر مجھے رونا آتا تھا -
ایک بار شکم مبارک پر ہاتھ پھیر کر میں نے کہا کہ میری جان آپ پر فدا ہو دنیا سے اتنا تو آپ لیتے
جو بقدر کفاف ہو - فرمایا مجھے دنیا سے کیا تعلق - میرے بھائی اولوالعزم پیغمبر اس سے زیادہ
مصیبتوں پر عمر بھر صبر کرتے رہے - جب وہ اپنے رب کے پاس گئے تو انکا اکرام ہوا اور اوسکے
عوض میں بڑی بڑی عطایئں اور نعمتیں پایئں مجھے شرم آتی ہے کہ میں مرفہ الحالی میں زندگی بسر
کر کے اپنے بھائیوں سے پیچھے رہ جاؤں مجھے اس سے زیادہ کوئی چیز محبوب نہیں کہ اپنے بھائیوں
اور دوستوں اور رفیق اعلی سے ملوں - عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ان ارشادات
کے بعد ایک مہینہ نہ گذرا ہوگا کہ حضرت نے انتقال فرمایا انتہی -

حضرت کے اس ارشاد سے ظاہر ہے کہ اعلی درجہ کی ترقی مدارج فقر اختیاری سے وابستہ
ہے اور اہل انصاف پر عملی طور سے مبرہن فرما دیا کہ دعوے رسالت سے کوئی دنیوی حظ مقصود نہیں
صرف تعمیل امر الٰہی پیش نظر ہے کما قال تعالی وما اسئلکم علیہ من اجران
اجری الا علی رب العلمین یعنے کہو اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں تم سے تبلیغ رسالت
پر کچھ مزدوری نہیں مانگتا میرا اجر اللہ ہی پر ہے انتہی - یہیں سے حقانی اور شکم پرور لوگونکا
امتیاز ہو جاتا ہے جنکی جان فشانیاں اس مقولہ کو صادق کر دکھاتی ہیں کہ "این ہمہ شکل برائے اکل"

نیز شفا میں منقول ہے کہ ایک روز جبرئیل علیہ السلام حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے
اور حق تعالی کی طرف سے بعد سلام یہ پیام پہونچایا کہ کیا آپ اس بات کو دوست رکھتے ہو
کہ یہ پہاڑ سونے کے ہو جائیں اور آپکے ساتھ رہیں ؟ آپنے فرمایا کہ اے جبرئیل دنیا اوس شخص کا
گھر ہے جسکو گھر نہو اور اوسکا مال ہے جسکو مال نہو اور اوسکو وہی جمع کرتا ہے جسکو عقل نہو جبرئیل علیہ السلام
نے کہا کہ اسے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کو خدا تعالی قول ثابت پر ہمیشہ ثابت رکھے

اور اوسی میں لکھا ہے کہ عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ مجھ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
نے فرمایا کہ حق تعالیٰ نے مکہ کی ریتیلی زمین کی ریت اور کنکروں کو سونا بنا کر مجھ پر پیش فرمایا
میں نے عرض کی کہ یارب! میں یہ نہیں چاہتا میری دلی خواہش یہ ہے کہ ایک روز کھاؤں
اور ایک روز بھوکا رہوں جس روز بھوکا رہوں نہایت عاجزی سے گریہ وزاری کروں
اور جو کچھ مانگنا ہو تجھی سے مانگوں اور جس روز کھانا کھاؤں تیرا شکر بجالاؤں اور تیری
ثنا و صفت کروں انتہیٰ۔

حضرت نے خوشی سے جو فقر اختیار فرمایا اوسکی وجہ تبلادی کہ خدائے تعالیٰ کے ساتھ
ہر وقت تعلق لگا رہے۔ یہ بات ظاہر ہے کہ بھوک کی حالت میں نفس کسی چیز کی طرف خواہش
نہیں کرتا کل شہوتیں اور خواہشیں مضمحل ہو جاتی ہیں اور صرف پیٹ بھرنے کی فکر رہتی ہے
پھر جب معلوم ذرائع مسدود کر دیئے جائیں اور یہ یقین کامل ہو کہ سوائے خدائے تعالیٰ کے
کوئی حاجت روا نہیں۔ تو نفس کو خاص قسم کی توجہ اللہ تعالیٰ کی طرف ہوتی ہے اور وہ
تعلق پیدا ہوتا ہے جو کسی چیز سے نہ ہو سکے۔

شاہی ملازموں کو دیکھ لیجئے کہ جب اونکو یقین ہوتا ہے کہ اوس قسم کی حاجت روائیاں
اور کہیں نہیں ہو سکتیں تو اونکی توجہ کس قدر بادشاہ کے طرف ہوتی ہے۔ بات بات میں
رضاجوئی کا خیال عتاب کی فکر اور خوشامد کے نئے نئے تدابیر سوجھتے رہتے ہیں۔ غرضکہ
بھوک وغیرہ مصائب و آلام میں خدائے تعالیٰ کو یاد کرنا مسلمانوں کے نفوس کا ذاتی
مقتضا ہے۔ برخلاف اسکے جب نفس آسودہ ہوتا ہے اور لذائذ دنیوی سے فرحت ہوتی
ہے تو نشہ کی سی کیفیت اوس پر طاری ہوتی ہے۔ پھر جس قدر فرحت زیادہ ہو اوسکی بدمستی
زیادہ ہوگی۔ اسی کو دیکھ لیجئے کہ امرا کی کیسی حالت رہتی ہے اونہیں شاذ و نادر افراد

رضا و اختیار فاقہ

ہوتے ہیں جو صرف فرائض کو پابندی سے ادا کرتے ہوں ورنہ اوسکی بھی نوبت نہیں آتی۔
کیونکہ فرحتِ نفس کا مقتضا یہی ہے کہ خدا و رسول سے غفلت ہو جائے۔ یہی وجہ ہی کہ خدا تعالے
فرماتا ہے اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الْفَرِحِیْنَ یعنے فرحت والوں کو خدا دوست نہیں رکھتا
الحاصل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو فقر کو اختیار فرمایا اوس سے ثابت ہی کہ وہ تقرب
الی اللہ کا سبب قوی ہے مگر چونکہ ہر نفس میں یہ صلاحیت نہیں کہ فقر و فاقہ کی برداشت کر سکے
بلکہ بعض طبائع کا تو یہ حال ہے کہ فقر اونکو حد کفر تک پہونچا دیتا ہے جیسا کہ ارشاد فرماتے ہیں
کاد الفقر ان یکون کفرا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رحمت عامہ بنائے گئے تھے
اس لئے اسلام میں نہایت سہولت ہوئی اور تونگری بھی ہم پہلوئے فقر ٹھیرائی گئی اس
شرط پر کہ دینی مقاصد میں کوتاہی نہو اسی وجہ سے ارشاد ہے کہ دنیا اچھا گھر ہے اوس
شخص کے لئے جو اوس سے آخرت کا توشہ کرلے اور برا گھر ہے اوس شخص کے لئے جس کو
آخرت سے روکدے یہ روایت کنز العمال کی کتاب الاخلاق میں مذکور ہے۔

اس سے ظاہر ہے کہ مسلمان کتنا ہی مال حاصل کرے مگر اوس سے آخرت کا سامان کرے
تو وہ سعادت ہی سعادت ہے۔ یہ ضرور نہیں کہ سب مسلمان فقیر ہی ہو جائیں۔ ہر چند
مسلمان کے لئے تونگری بھی کوئی بری چیز نہیں مگر جو معنوی خوبیاں فقر میں ہیں وہ تونگری
میں کہاں۔ اس لئے آپ اپنے اور اپنے اہل بیت کے لئے فقر ہی کو پسند فرماتے تھے جیسا کہ
شفا میں بخاری اور مسلم سے نقل کیا ہے کہ حضرت یہ دعا کیا کرتے تھے اللّٰھم اجعل رزق
آل محمد قوتا یعنے اے اللہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے آل کا رزق بقدر سد رمق مقرر فرما
کنز العمال کی کتاب الاخلاق میں روایت ہے کہ ایک بار حضرت نے فاطمہ رضی اللہ عنہا
کے ہاتھ میں کسی قسم کا زیور دیکھا ناگوار طبع مبارک ہوا اور اون سے فرمایا کیا تمھیں اچھا

تونگری بھی بری چیز نہیں

معلوم ہوتا ہے - کہ لوگ کہیں کہ محمد (صلی اللہ علیہ و آلہ وصحبہ وسلم) کی بیٹی کے ہاتھ میں آگ کی زنجیر ہے - پھر خادم سے فرمایا کہ فلاں قبیلہ میں وہ لیجاؤ اور اونکے لئے تانت کا قلادہ اور ہاتھی دانت کے کنگن لے آؤ انتہی - یہ روایت کتب صحاح اور مستدرک حاکم میں مروی ہے کہ علی کرم اللہ وجہہ کے گھر میں نہ غلام تھا نہ لونڈی حضرت فاطمۃ الزہرا علیہا السلام گھر کے کل کام اپنے ہاتھ سے کیا کرتیں یہانتک کہ پینے سے آپکے دست مبارک میں چھالے پڑ گئے تھے ایک بار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کئی غلام اور لونڈیاں آئیں علی رضی اللہ عنہ نے آپ کو رائے دی کہ آخر وہ سب تقسیم ہونے والے ہیں اگر اکاد غلام یا لونڈی حضرت سے مانگ لو تو کاموں میں سہولت ہو جائیگی چنانچہ فاطمہ رضی اللہ عنہا حضرت کے یہاں گئیں مگر بجائے اسکے کہ حضرتؐ لونڈی یا غلام عنایت کرتے ارشاد فرمایا کہ اس سے بہتر میں تمھیں ایک بات بتاتا ہوں وہ یہ ہے کہ ہر نماز کے بعد اور سوتے وقت تسبیح وتہلیل وتحمید کیا کرو - انتہی ملخصاً - دیکھئے اوروں کے حق میں تو وہ فیاضیاں کہ کبھی لفظ لا زبان پر آتا ہی نہیں - اگر کچھ پاس نہوتا تو قرض لے کر حاجتمندوں کی حاجت روائیاں فرماتے اور خاص اپنے جگر گوشہ بتول علیہا السلام کے ساتھ یہ معاملہ کہ باوجود غلام اور لونڈیاں موجود ہونیکے یہ تدبیر بتائی جا رہی ہے کہ خدا کو یاد کیا کرو - اسمیں کیا راز تھا؟ ادنٰے تامل سے معلوم ہو سکتا ہے کہ آپ کی دلی خواہش یہی تھی کہ اہل بیت کرام مدارج اخروی میں اعلٰے درجہ کی ترقی کریں جسکا پہلا زینہ فقر اور ترک راحت دنیوی ہے یہی وجہ ہے کہ غیب سے ایسے مواقع پیش آتے گئے کہ اہل بیت کو خلافت نہ ملی اس لئے کہ تقدیر الٰہی میں یہ بات ٹھیر چکی تھی کہ خلافت نبوت تیس ۳۰ سال رہیگی - اوسکے بعد سلطنت قائم ہو جائے گی جیسا کہ اس حدیث شریف سے

ظاہر ہے عن سفینة رضی اللہ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
یقول الخلافة ثلاثون سنة ثم یکون ملکا رواہ احمد والترمذی وابو
داود کذا فی المشکوٰۃ اور چونکہ تیس سال تک خلافت نبوت کا باقی رہنا ضرور تھا
اس لئے حضرت امام حسن علیہ السلام کو ابتدا میں اوس کا خیال پیدا ہوا اور چھ مہینے تک
آپنے خلافت کی پھر جب اس چھ مہینے کے ختم پر تیس سال خلافت کے پورے ہو گئے تو یکایک
آپکو یہ خیال پیدا ہوا کہ ملک کی لڑائی میں مسلمان ناحق قتل ہو رہے ہیں اور ساتھ ہی آپنے
معاویہ سے صلح کر لی اور خلافت سے دست بردار ہو گئے۔ ہر چند لوگ آپکو اشتعالک دیتے
اور عار دلاتے رہے مگر آپنے کچھ پروا نہ کی چنانچہ تاریخ الخلفا میں لکھا ہے کہ جب آپ
خلافت سے علیحدہ ہوئے تو آپکے اصحاب نے نہایت گستاخی سے کہا یا عار المؤمنین!
آپنے فرمایا العار خیر من النار کسی نے آکر کہا السلام علیک یا مذل المؤمنین آپنے
فرمایا میں نے مسلمانوں کی ذلت کی غرض سے یہ کام نہیں کیا بلکہ اس بات کو مکروہ سمجھا کہ تم
لوگوں کو ملک کی لڑائی میں قتل کراؤں انتہی۔ تاریخ کامل میں لکھا ہے کہ جب آپ بعد معزولی
کے کوفہ سے مدینہ منورہ کو جانے لگے تو کوفہ میں کہرام مچگیا کسی نے پوچھا حضرت اس امر پر
آپ کو کس چیز نے مجبور کیا فرمایا پہلے تو دنیا سے مجھے کراہت ہوئی دوسرے اہل کوفہ کی بیوفائی
دیکھو میرے والد بزرگوار پر انھوں نے کیسی کیسی مصیبتیں ڈھائیں۔ پھر جب آپ کوفہ سے
نکلے تو ایک شخص نے سامنے آکر کہا یا مسود وجوہ المسلمین! یعنے اے مسلمانوں کے
منہ کالا کرنیوالے آپنے فرمایا مجھ پر ملامت نہ کرو اسکا اصل سبب کچھ اور ہی ہے جسکو تم نہیں
جانتے وہ یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں دیکھا تھا کہ بنی امیہ آپ کے
منبر شریف پر یکے بعد دیگرے بندروں کی طرح کود رہے ہیں اس پر آپ کو سورہ

لہ سفینہ [illegible] مولی النبی صلی اللہ علیہ وسلم [illegible] ابو عبد الرحمن [illegible]

اِنَّآ اَعْطَیْنٰکَ الْکَوْثَرَ سے خوش خبری دیگئی کہ جنت میں ایک نہر آپکو دیگئی ہے جس کا نام کوثر ہے (مقصود یہ کہ آپکے فیضان سے تمام اہل جنت ابدالآباد سیراب رہینگے) اور سورۃ اِنَّآ اَنْزَلْنٰہُ بھی اسی موقع میں نازل ہوئی جسمیں یہ مذکور ہے کہ ایک رات (لیلۃ القدر) ایسی آپ کو دیگئی ہے کہ ہزار مہینوں سے بہتر ہے - جانتے ہو وہ ہزار مہینے کونسے ہیں یہی بنی امیہ کی خلافت کے ہیں انتہیٰ - تاریخ الخلفا میں لکھا ہے کہ یہ روایت جامع ترمذی میں موجود ہے اور قاسم بن فضل جو اس حدیث کی سند میں ایک راوی ہیں وہ کہتے ہیں کہ ہمنے شمار کیا تو بنی امیہ کی خلافت برابر ہزار مہینے رہی - اور لکھا ہے کہ یہ روایت مستدرک حاکم میں بھی ہے - اور خصائص کبریٰ صفحہ (۱۱۹) میں بیہقی سے یہ روایت منقول ہے کہ جب آپ کو بنی امیہ کا منبر شریف پر کودنا ناگوار ہوا تو حق تعالےٰ نے آپ پر وحی کی - انما ھی دنیا اعطوھا فقرت عینہ یعنے بنی امیہ کو جو دیگئی وہ صرف دنیا ہے اس سے حضرت کی آنکھ ٹھنڈی ہوئی - غرضکہ تقدیر الٰہی میں یہ بات مقدر ہو چکی تھی کہ سلطنت جس کو ام الدنیا کہنا چاہئے بنی امیہ کے گلے ڈالی جاے اور اہل بیت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے مدارج اخروی مختص ہوں - اور ان دونوں کا فرق قرآن شریف میں حق تعالیٰ نے پہلے ہی سے بیان فرما دیا متاع الدنیا قلیل والاخرۃ خیر وابقے یعنے دنیا کی پونجی تھوڑی ہے اور آخرت بہتر اور ہمیشہ باقی رہنے والی ہے - چونکہ حضرت امام حسن علیہ السلام کو یقین تھا کہ اہل بیت میں خلافت ہرگز نہ آئیگی - اس لئے انتقال کے وقت حضرت امام حسین علیہ السلام کو جو وصیت کی اوسمیں یہ بھی فرما دیا کہ خدا کی قسم میں ہرگز خیال نہیں کرتا کہ ہم لوگوں میں خدائے تعالیٰ نبوت اور خلافت جمع کریگا - دیکھو کہیں تم سفہاے کوفہ کے دام میں نہ آجانا - دیکھئے آپکو خلافت کے نہ ملنے کا کیسا یقین تھا

ثبات نزول سورہ کوثر و سورہ قدر

ترمذی

کہ اوس پر آپنے قسم کھالی - اور یہی ہونا بھی چاہئے تھا اسلئے کہ عقل یہ ہرگز قبول نہیں کرتی کہ حق تعالیٰ ان حضرات کو خاص فضیلت دیکر ایک ایسے کام کا مرتکب کرائے جسکو خود مکروہ جانتا ہے - خصائص کبریٰ میں امام سیوطی رح نے یہ روایت لکھی ہے اخرج البیہقی و ابو نعیم عن ابی عبیدۃ بن الجراح و معاذ بن جبل عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال ان ھذا الامر بدأ نبوۃ و رحمۃ ثم یکون خلافۃ و رحمۃ ثم یکون ملکا عضوضا الحدیث یعنے فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اس امر کی ابتدا نبوت اور رحمت سے ہوئی اوسکے بعد خلافت اور رحمت ہوگی اوسکے بعد کاٹ کھانیوالا ملک ہوجائیگا - انتہی - ابھی معلوم ہوا کہ خلافت نبوت کی مدت صرف تیس سال کی تھی اور اس حدیث سے ظاہر ہے کہ اوسکے بعد کاٹ کھانیوالا ملک ہوگا یعنے ملوک و سلاطین کی یہ صفت ہوگی - تو اب کہئے کہ ان حضرات کو اگر خلافت ملتی تو وہ خلافت نبوت تو نہیں ہوسکتی تھی اس لئے کہ وہ مدت ختم ہوچکی تھی تو اب ان حضرات پر اس صفت کے صادق آنے کی ضرورت ہوتی حالانکہ عند اللہ و عند الناس وہ صفت مکروہ و مبغوض ہے غرضکہ حضرت امام حسن علیہ السلام مشیت کے بھید کو سمجھ گئے تھے اسوجہ سے آپنے دنیا پر لات ماردی - اور امام حسین علیہ السلام بھی گو سمجھے ہوئے تھے مگر مشیت الٰہی میں تو یہ تھا کہ علاوہ مراتب فقر و ترک دنیا کے مظلومیت و شہادت کے اعلیٰ اعلیٰ مدارج اخروی بھی حاصل ہوں اس لئے اوسکی تمہید امام حسن علیہ السلام کی شہادت ہی کے بعد پڑی چنانچہ تاریخ الخلفا میں لکھا ہے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ ہی کے زمانہ سے اہل کوفہ نے امام حسین علیہ السلام سے خط و کتابت شروع کردی تھی کہ آپ علی کرم اللہ وجہہ کے جانشین ہوجائیں مگر آپ ٹالتے رہے پھر جب یزید بادشاہ ہوا تو اوسکی بداطواریاں دیکھکر آپ کو کسی قدر

خیال پیدا ہوا چنانچہ کبھی کوفہ کو جانا پسند فرماتے اور کبھی نہ جانا آخر مشیت نے جاتے ہی کی رائے کو مستحکم کیا ہر چند صحابہ مانع ہوتے تھے اور ابن عمرؓ نے تو صاف کہدیا کہ آپ ہرگز یہاں سے نہ نکلیں کیونکہ خدائے تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اختیار دیا تھا چاہیں دنیا اختیار فرمائیں چاہیں آخرت۔ آپنے آخرت کو اختیار فرمایا چونکہ آپ ہی حضرت ہی کے جزو ہیں اسوجہ سے آپ ہرگز دنیا حاصل نہیں کر سکتے۔ مگر مشیت کب ٹل سکتی تھی آپنے کسی کی نہ مانی۔ آخر ہوا وہی کہ بجائے ترقی دنیوی ترقی اخروی کے جتنے مدارج تھے سب آپ سے طے کرائے گئے۔ اور بجائے سلطنت دنیوی کے سیادت اخروی عطا کیگئی۔ ہر چند ظاہر بینوں کے نظروں میں آپکی ذلت محسوس ہوئی مگر جو لوگ بالغ النظر ہیں وہ اس کمال ذلت کو کمال درجہ کی عزت مشاہدہ کرتے تھے جس طرح حدیث شریف میں ہے لخلوف فم الصائم اطیب عند اللہ من ریح المسك یعنے روزہ دار کے منہ کی بو اللہ کے نزدیک مشک کی بو سے بھی بہتر ہے یعنے بظاہر خراب اور باطن میں عمدہ اسی طرح ان حضرات کی دنیوی ذلت خدائے تعالیٰ کے نزدیک کمال درجہ کی اخروی عزت ہے۔

مستدرک حاکم میں یہ روایت ہے عن انسؓ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مر بحمزۃ یوم احد وقد جدع ومثل بہ فقال لولا ان صفیۃ تجد لترکتہ حتی یحشرہ اللہ من بطون الطیر والسباع فکفنہ فی نمرۃ یعنے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جنگ احد کے دن حمزہ رضی اللہ عنہ پر گذرے اور دیکھا کہ اونکے ناک کان وغیرہ اعضا کاٹ ڈالے گئے ہیں۔ فرمایا اگر صفیہ رضی اللہ عنہا کے غم کا خیال نہ ہوتا تو انکو میں اسی حالت پر چھوڑ دیتا تاکہ پرندے اور درندے کھالیں اور اللہ تعالیٰ اونکے پیٹوں میں سے قیامت کے روز انکا حشر کرائے اسکے بعد ایک کمل میں لپیٹ کر اونھیں دفن فرمادیا۔

دیکھئے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو وہ فضیلت حاصل تھی کہ تمام شہدا کے آپ سردار بنائے گئے جیسا کہ مستدرک حاکم میں روایت ہے عن جابرؓ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال سید الشہداء حمزۃ بن عبد المطلب۔ باوجود اسکے اونکی نسبت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خیال تھا کہ اونکی لاش بیحرمتی سے اوسی طرح ڈالدیجائے تاکہ ذلت کمال درجہ کو پہونچ جائے اور رفعت مدارج اخروی میں سے کوئی درجہ باقی رہنے نہ پائے مگر صفیہؓ کے غم کے خیال سے اس قصد کو آپنے ترک فرمادیا۔ اس سے ظاہر ہے کہ سید الشہدا کے وقت ایک بات فروگذاشت ہوگئی تھی مگر حضرت امام حسینؑ کے مدارج میں منجانب اللہ اوسکی بھی تکمیل ہوگئی۔ چنانچہ تاریخ کامل میں لکھا ہے کہ زحر بن قیس جو واقعہ کربلا میں یزید کے لشکر میں شریک تھا جب یزید کو فتح کی خوش خبری سنانے آیا تو منجملہ اور واقعات کے ایک واقعہ یہ بھی بیان کیا چنانچہ اوسکا قول ہے فھاتیک اجساد مجردۃ وثیابھم مرملۃ وخدودھم معفرۃ تصھرھم الشمس وتسفی علیھم الریح وزوارھم العقبان والرخم بقاع سبسب یعنے شہدا کربلا کے اجساد برہنہ اونکے کپڑے خون میں لت پت اور اونکے رخسار خاک آلود تھے اور دھوپ اونکے جسموں کو پگھلا رہی تھی اور ہوائیں اون پر خاک ڈال رہی تھیں اون کے زیارت کرنیوالے مردار خوار پرندے تھے اور ایسے چٹیل میدان میں وہ پڑے ہوے تھے جو آبادیوں سے کوسوں دور تھا انتہی۔ غرضکہ اس باب میں سید الشہدا حمزہ رضی اللہ عنہ سے بھی آپ بڑے رہے۔ اس موقع میں محبان اہل بیت علیہم السلام کی عجیب حالت ہے جب شہادت کے واقعہ پر اونکی نظر پڑتی ہے تو یہ معلوم ہونے لگتا ہے کہ اون حضرات کی ایک ایک ساعت جو بیکسی اور بے بسی کی حالت میں اون پر گذری ہے اگر عمر بھر اوس پر ماتم کیا جائے

امام کی لاش کی بیحرمتی

تو تھوڑا ہے اور جب نظر شہادت کے واقعہ سے آگے بڑھتی ہے اور اون مدارج پر پڑتی ہے
جو لاعین رأت ولا اذن سمعت ولا خطر علی قلب بشر کے مصداق ہیں تو فرحت
بھی ایسی ہوتی ہے کہ جسکا حساب نہیں۔ یہ بات قابل تسلیم ہے کہ کسی کا دوست سفر کرے
اور راستہ میں اوسکو بڑی بڑی مصیبتوں کا سامنا ہو تو اوسکے دوست کو ان مصائب کے
سننے سے سخت صدمہ ہوگا پھر اگر ساتھ ہی یہ بھی معلوم ہوجائے کہ وہ ان صدمات کے بعد
کہیں کا بادشاہ ہوگیا اور نہایت عیش و عشرت میں ہے تو وہ صدمہ ایک بڑی فرحت
کے ساتھ مبدل ہوجائیگا۔

بخاری۔ نسائی اور ترمذی وغیرہ سے السیرۃ المحمدیہ میں مولانا کرامت العلی صاحب مرحوم
نے نقل کیا ہے کہ حارثہ[1] بن سراقہ رضی اللہ عنہ جب بدر میں شہید ہوے تو اونکی والدہ آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کی یارسول اللہ! آپ جانتے ہو کہ مجھکو
اپنے لڑکے کے ساتھ کیسی محبت تھی اب میں آپ سے پوچھتی ہوں کہ وہ جنت میں پہونچ گیا ہے
یا نہیں۔ اگر پہونچ گیا ہے تو میں صبر کرلونگی ورنہ آپ دیکھ لوگے کہ میں اوسکے غم میں کیا کیا کرونگی
حضرت نے فرمایا اے حارثہ کی ماں! جنتیں کئی ہیں ایک نہیں ہے اور تمھارا فرزند فردوس اعلی
میں ہے یہ سن کر وہ ثابت قدم مردانہ بیوی نے کہا اب میں صبر کرتی ہوں انتہی۔ کیوں نہو
جب کسی دوست کے جنت میں جانیکا یقین کامل طور پر ہوجاے تو مسلمان کو اوس سے
زیادہ کسی چیز پر خوشی نہیں ہوسکتی کیونکہ سواے جنت کے کوئی ایسا مقام نہیں جہاں ابد الآباد
ہر قسم کی نعمتوں کا مجموعہ ہو جب عموماً اہل جنت کا یہ حال ہو تو حضرت سید شباب اہل الجنۃ
کے نعمتوں کا کیا ٹھکانا۔ اس موقع میں محبان اہل بیت علیہم السلام حالت موجودہ کے لحاظ
سے جس قدر افتخار اور خوشی کریں تھوڑی ہے۔ اسلئے کہ ہمارے ولی نعمت غایۃ المرام

[Margin notes:] سید الشہداء امام حسین علیہ السلام

[1] حارثہ بن سراقہ ... [illegible]

اور عمر بھر کی کوششوں میں پورے طور پر کامیاب ہوے

اسوقت طرفداران یزید یعنے خوارج جو عاشورہ کے روز خوشی کرتے ہیں کہ یزید کو فتح ہوئی اور اہل بیت کرام ذلیل ہوے تو ہم اون سے کہینگے کہ خوشی کا زمانہ گذر گیا اب حالت موجودہ کے لحاظ سے اوس پر عمر بھر نوحہ اور ماتم کرنا چاہیئے کہ معلوم نہیں کس قعر مذلت میں پڑا ہوا ہے اور اوس عالم میں اوس پر کیا کیا گذر رہی ہے یہ مقولہ بالکل صحیح اور مطابق عقل ہے کہ الماضی لایذکر والحال یعتبر۔

الغرض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو منظور نہ تھا کہ سلطنت اہل بیت کرام میں رہے اسلئے کہ وہ زمانہ بحسب علم آلہی و تقدیر ازلی خلافت نبوت کا تھا بلکہ اذیت رسان سلطنت کا تھا جسکا لازمہ ترفہ ہے اور حضرتؐ کو منظور نہ تھا کہ اہل بیت کرام دنیا میں مرفہ الحال رہیں۔ اسی وجہ سے آپ دعا فرمایا کرتے تھے کہ میرے آل کا رزق کفاف اور قوت بقدر سد رمق ہو تاکہ دولت فقر و فاقہ باعث ترقی مدارج اخروی ہو جو ابدًا اور ابدالآباد باقی رہنے والے ہیں۔

الحاصل جب بعض اکابر صحابہ نے دیکھا کہ حضرت اپنی ذات اور اپنے خاص اہل بیت کرام کے لئے فقر کو پسند فرماتے ہیں تو اونھوں نے بھی فقر ہی کو اختیار کیا اور اس باب میں بھی پوری اتباع کی۔ چنانچہ کنز العمال کی کتاب الفضائل میں یہ روایت ہے کہ حسن بصریؒ کہتے ہیں کہ ایک روز میں بصرہ کی مسجد میں گیا دیکھا کہ صحابہ کا مجمع ہے اور ابو بکر او رعمر رضی اللہ عنہما کے زہد کا ذکر ہو رہا ہے میں بیٹھ گیا۔ احنف بن قیس رضی اللہ عنہ نے یہ واقعہ بیان کیا کہ ایک بار عمر رضی اللہ عنہ نے عراق کی طرف ایک لشکر روانہ کیا جسمیں میں بھی تھا۔ جب عراق اور ملک فارس کے کئی شہر اور خراسان فتح ہوا اور ہم واپس آے تو وہاں کے عمدہ لباس جو ہم ساتھ لاے تھے پہن کر عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوے اونھوں نے

اکابر صحابہ نے بھی فقر اختیار کیا

صدیق اکبر و عمر رضی اللہ عنہما کا فقر

ہمیں دیکھکر منہ پھیر لیا سب صحابہ پر اونکی یہ حرکت نہایت شاق ہوئی اور اونکے فرزند عبداللہ بن عمر
کے پاس گئے اور اونکی اوس بے التفاتی اور جفا کا حال بیان کیا اونھوں نے کہا کہ آپ
لوگوں پر اونھوں نے اس قسم کا لباس دیکھا جو نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی پہنا تھا
نہ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اسلیے بے التفاتی کی ہوگی۔ ہمارے خیال نہیں یہ بات آگئی اور اپنے
گھر گئے اور اپنا قدیم لباس پہن کر پھر امیر المؤمنین کی خدمت میں حاضر ہوے ہمیں دیکھتے ہی
وہ اوٹھ کھڑے ہوے اور ایک ایک شخص پر سلام کرکے معانقہ کیا اوسوقت یہ معلوم ہورہا تھا
کہ گویا اونھوں نے ہمیں پہلے دیکھا ہی نہ تھا پھر ہم نے غنیمتیں جو عراق وغیرہ سے لائی تھیں
پیش کیں اونھوں نے اوسی وقت سب علی السویہ تقسیم کردیا۔ پھر ہمنے وہانکی غذائیں پیش
کیں اونکو چکھکر فرمایا اے گروہ مہاجرین وانصار! یہ خوش ذائقہ اور خوشبودار غذائیں
وہ ہیں جنکی وجہ سے تمھارے بیٹے اپنے باپ اور اپنے بھائیوں کو قتل کرینگے یہ کہکر وہ کھانے
اون لوگوں کی اولاد کے یہاں بھیجدئیے جو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو شہید ہوئے تھے
اور برخواست کرکے چلے گئے۔ ہم لوگ بھی اونکے ساتھ اوٹھے اور باہم گفتگو ہوئی کہ اونکے
ہاتھ پر قیصر وکسری کے ملک اور مشرق ومغرب کے بلاد مفتوح ہوے اب عرب وعجم کے وفود
اونکے پاس آئینگے جب امیر المؤمنین کی یہ حالت دیکھینگے کہ ایک فرتوت جبہ پہنے ہیں
جس پر بارہ پیوند لگے ہیں تو کیا خیال کرینگے؟ حالت موجودہ کے لحاظ سے ضرور ہے کہ کبار
صحابہ جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جہادوں میں حاضر تھے اور مہاجرین وانصار اونسے
کہکر یہ جبہ بدلوائیں اور ایسا لطیف لباس پہنائیں کہ دیکھنے سے لوگوں پر ہیبت خلافت
طاری ہو۔ اور نیز یہ درخواست کریں کہ صبح وشام مہاجرین کے ساتھ عمدہ عمدہ غذائیں
کھایا کریں۔ سب نے کہا کہ یہ کام سواے علی کرم اللہ وجہہ کے اور کسی سے نہوگا وہ امیر المؤمنین

علی و عمر رضی اللہ عنہما
صحابہ کا اجماع
دونوں کا اتفاق

کے سسرے ہیں جرأت سے کہہ سکتے ہیں یا اونکی صاحبزادی حفصہ رضی اللہ عنہا سے کہا جائے۔
کیونکہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ ہیں حضرت کے خیال سے اونکی بات مان لینگے
غرضنکہ یہ رائے قرار پائی کہ پہلے علی کرم اللہ وجہہ کے پاس جائیں چنانچہ سب اونکے پاس گئے
اور وہ کل تقریر کی۔ اوھوں نے فرمایا یہ کام میں نہ کرونگا۔ ازواج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
سے کہو تو البتہ وہ جرأت کر سکتی ہیں۔ کیونکہ وہ امہات المؤمنین ہیں چنانچہ ہم لوگ عائشہ
اور حفصہ رضی اللہ عنہما کے خدمت میں حاضر ہوئے جو اتفاق سے ایک ہی مکان میں تھیں
اور وہ کل تقریر کرکے درخواست کی کہ عمر رضی اللہ عنہ سے اس باب میں گفتگو کریں عائشہ
رضی اللہ عنہا نے قبول کیا مگر حفصہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ مجھے امید نہیں کہ وہ قبول
کرینگے۔ بہرحال دونوں بیویاں امیر المؤمنین کے گھر تشریف لے گئیں اوھوں نے نہایت
اکرام سے اونکو بٹھایا۔ عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا۔ امیر المؤمنین کیا آپ مجھے کچھ کہنے کی
اجازت دوگے کہا یا ام المؤمنین! فرمائیے۔ انھوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
جنت اور رضائے الٰہی کی طرف اوس حالت میں گئے کہ نہ دنیا کا اوھوں نے ارادہ
کیا نہ دنیا اون کے پاس آئی اسی طرح ابوبکر رضی اللہ عنہ بھی حضرت کے پیچھے سدھارے
اور خدائے تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اونکو ملا دیا اون کا بھی
یہی حال رہا کہ نہ دنیا کا ارادہ اوھوں نے کیا نہ دنیا اونکے پاس آئی اب خدا تعالیٰ
نے آپکے ہاتھ پر کسریٰ و قیصر کے خزانے اور اونکے ملک فتح کرائے اور اونکے اموال آپکے
روبرو لائے گئے اور مشرق و مغرب کے لوگ آپکے مسخر ہوئے ہم اللہ سے امید رکھتے ہیں
کہ اس سے زیادہ دے اور اسلام کی تائید آپ سے کرائے۔ اب آپکے پاس عجم کے ایلچی
اور عرب کے وفود آئینگے جب آپکا یہ جبہ دیکھینگے جس پر بارہ پیوند لگے ہیں تو کیا کہینگے

مناسب یہ ہے کہ آپ اسکو بدل کر کوئی نرم لباس پہنیں جس سے اونکی نظروں میں آپکی وقعت ہو اور صبح وشام آپ مہاجرین وانصار کو ساتھ لیکر عمدہ عمدہ غذائیں کھائیں - یہ سُن کر عمر رضی اللہ عنہ زار زار رونے لگے اور کہا آپکو میں خدا کی قسم دیتا ہوں آپ سچ سچ بتائیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انتقال تک کبھی گیہوں کی روٹی سیری سے دس روز یا پانچ روز یا تین روز متواتر کھائی تھی یا انتقال تک کسی روز صبح بھی کھایا اور شام بھی؟ فرمایا کبھی ایسا اتفاق نہیں ہوا پھر پوچھا کہ آپ جانتی ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کھانے کے لئے کبھی مائدہ رکھا جاتا تھا جو زمین سے ایک بالشت اونچا ہو یا کھانا زمین ہی پر رکھا جاتا اور مائدہ اوٹھالیا جاتا تھا پھر دونوں بیویوں کی طرف متوجہ ہو کر کہا آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ازواج اور امہات المؤمنین ہو اور آپکا حق تمام مسلمانوں پر ہے خصوصاً مجھ پر لیکن آپ میرے یہاں اس غرض سے تشریف لائی ہیں کہ مجھے دنیا کی رغبت دلائیں میں خوب جانتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صوف کا جبہ پہنتے تھے جو اتنا سخت و درشت ہوتا تھا کہ اکثر جسم مبارک اوسکی خشونت سے چھل جاتا تھا کیا آپ بھی اسکو جانتی ہو؟ کہا سچ ہے - پھر کہا کیا آپ نہیں جانتیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے گھر میں ٹاٹ پر آرام فرماتے تھے جو دن کو فرش ہوتا اور رات کو بستر اور بارہا میں نے دیکھا ہے کہ بوریے کا اثر جسم مبارک پر رہتا تھا - اور اے حفصہ! تم ہی نے مجھ سے کہا تھا کہ ایک رات تم نے ٹاٹ کو دوہرا کرکے بچھا دیا جسکی نرمی سے حضرت کی آنکھ لگ گئی اور بلال کی اذان سے بیدار ہوے اور فرمایا اے حفصہ! تم نے یہ کیا کیا دوہرے ٹاٹ پر سونے سے صبح تک مجھ پر نیند کا غلبہ رہا مجھے دنیا سے اور دنیا کو مجھ سے کیا تعلق - اے حفصہ! کیا تم نہیں جانتیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اگلے پچھلے گناہ سب معاف کردے گئے تھے باوجود اسکے آپ دن بھر بھوکے رہتے

اور اکثر اوسی حالت میں سوتے اور رکوع وسجود اور گریہ وزاری اور خشوع میں دن رات گذارتے
یہانتک کہ خدائے تعالی نے اپنی رحمت اور رضواں میں آپکو بلا لیا۔ اور یہی حال ابوبکر
رضی اللہ عنہ کا تھا۔ اب عمر نہ عمدہ غذائیں کھائیگا نہ نرم لباس پہنیگا۔ اوسکو اپنے دونوں
صاحبوں کی اقتدا کرنی ہے اور نہ کبھی وہ دو سالن کھا سکتا ہے سوائے نمک اور تیل کے
اور نہ ہر مہینے میں سوائے ایک بار کے گوشت کھائیگا یہانتک کہ اوسکی عمر پوری ہوجائے
یہ سن کر دونوں بیویاں تشریف لیگئیں اور جو کچھ سنا تھا سب صحابہ سے کہدیا پھر جس طرح
عمر رضی اللہ عنہ نے کہا تھا انتقال تک اونکی وہی حالت رہی۔ انتہیٰ۔

دیکھئے پوری اتباع اسے کہتے ہیں کہ تقریبًا کل صحابہ اور امہات المؤمنین ایک طرف ہیں
اور حسب مصلحت وقت بالاتفاق کہ رہے ہیں کہ حضرت لباس اچھا پہنے اور کھانے اچھے
کھائے جس سے نفس کا بھی حق ادا ہو اور شوکت اسلام بھی نمایاں ہو اور دوسرونکی نظروں میں
بادشاہ اسلام کی وقعت زیادہ ہو اور یہ سب مقتضائے عقل تھا مگر عمر رضی اللہ عنہ نے (جو اوسوقت
صحابہ میں افضل مانے جاتے تھے اور عقل وفراست میں اونکی نظیر نہیں مل سکتی) کسی کی نمانی
اور صرف اتباع نبوی کے لحاظ سے فقر وفاقہ ہی میں عمر بسر کی یہ ہے حال اونکا جو سب سے
زیادہ دینی عقل رکھتے تھے۔

اب علی کرم اللہ وجہہ کا بھی تھوڑا سا حال سن لیجئے۔ کنز العمال کی کتاب الفضائل میں
یہ روایت ہے کہ ارقم کہتے ہیں کہ میں رحبہ کوفہ میں دیکھا کہ علی کرم اللہ وجہہ کے دست مبارک
میں تلوار ہے اور فرمارہے ہیں کہ اس تلوار کو کوئی خرید کرنیوالا ہے اور قسم کھاکر فرماتے تھے
کہ اس تلوار سے میں نے کئی بار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو کفار سے میدان خالی
کرالیا اگر میرے پاس تہ بند کی قیمت ہوتی تو اسکو ہرگز نہ بیچتا۔ انتہیٰ۔ اس سے مترشح ہے

فقر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ

فقر حضرت علی کرم اللہ وجہہ

کہ آپکے پاس صرف ایک تہ بند تھا اور وہ بھی پرانا اگر دوسرا ہوتا تو اوس انمول اور متبرک تلوار
کو بیچنے کا ارادہ ہرگز نہ فرماتے پھر یہ بھی نہیں کہ کوئی بیش قیمت تہ بند آپکو مطلوب تھا اس لئے
کہ کنز العمال ہی میں یہ روایت بھی موجود ہے کہ راوی کا بیان ہے کہ میں نے آپکے تہ بند کو
دیکھا کہ نہایت موٹا ہے اور خود آپنے اپنی زبان سے فرمایا کہ پانچ درہم کو اسے میں نے
خریدا ہے - دیکھئے پانچ درہم کوئی بڑی چیز نہیں ایک روپیہ کے اندازہ میں ہوتے ہیں
مگر ایک عرصہ تک آرزو رہی کہ کسی جائز طریقہ سے ملیں تو ستر عورت کیلئے اونسے تہ بند خریدیں
مگر نہ ملے یہانتک کہ اوس بے نظیر تلوار کو بیچنے کی ضرورت ہوئی - یہاں یہ خیال کیا جائے
کہ شاید یہ حالت آپکی خلفاء ثلاثہ کے زمانہ میں ہوگی جس سے یہ خیال پیدا ہو کہ اس درجہ آپکو
اون لوگوں نے تنگ کر رکھا تھا یہ خود آپکی عین خلافت کا واقعہ ہے کیونکہ یہ واقعہ کوفہ
کا ہے جس کو آپ ہی نے دار الخلافہ بنایا تھا آپ سے پہلے خلفاء مدینہ طیبہ میں مقیم رہے
غرضکہ اس قسم کے واقعات سے جو بکثرت سیر و تواریخ میں مذکور ہیں اہل انصاف سمجھ سکتے
ہیں کہ ان حضرات کو خلافت سے نہ آسایش مقصود تھی نہ نام آوری - بلکہ جہاں اور اختیاری
مصیبتیں تھیں یہ بھی ایک تھی جسمیں محض عبادت کی غرض سے اپنی جان کو ڈال رکھا تھا
چنانچہ کنز العمال میں کئی کتابوں سے یہ روایت منقول ہے کہ ابی مطر کہتے ہیں کہ میں ایک بار
مسجد سے نکل کر جا رہا تھا کہ پیچھے سے آواز آئی کہ تہ بند اوٹھاؤ میں نے مڑکر دیکھا
تو علی کرم اللہ وجہہ ہیں اور آپ کے دست مبارک میں درّہ ہے میں آپ کے
ساتھ ہولیا پہلے اونٹوں کے بازار میں تشریف لیگئے اور تاجروں سے فرمایا
کہ بیچو مگر قسم مت کھاؤ کہ اوس سے چیز بک تو جاتی ہے - مگر برکت جاتی رہتی ہے
وہاں سے کھجور بیچنے والے کے دوکان پر تشریف لیگئے دیکھا کہ ایک غلام رو رہا ہے

اوس سے حال دریافت کیا اوس نے کہا کہ ایک درہم کے کھجور اس سے میں نے خریدی مگر میرے مالک نے واپس کیا اور یہ نہیں لیتا۔ آپنے اوس سے واپس لینے کو فرمایا مگر اوس نے تامل کیا میں نے کہا تو جانتا نہیں یہ کون ہیں یہ علی امیرالمومنین ہیں اوس نے کھجور لیکر درہم دیدیا پھر دوسرے خرما فروشوں کی دوکانوں پر گئے اور فرمایا کہ مسکینوں کو کھلاؤگے تو تمھارے کسب میں برکت ہوگی۔ پھر مچھلی بیچنے والوں کی دوکانوں پر تشریف لیگئے اور فرمایا کہ ہمارے بازار میں طافی یعنے وہ مچھلی جو مرکر پانی کے اوپر آجاتی ہے نہ بیچنا پھر پارچہ فروشوں کی دوکانوں پر گئے اور فرمایا کہ تین درہم کا ایک قمیص ہمیں دو مگر جب دیکھا کہ دوکاندار آپکو پہچانتا ہے تو اوس سے نہیں خریدا اور دوسری دوکان پر تشریف لیگئے دیکھا کہ وہ بھی پہچانتا ہے تو اوس سے بھی نہ لیا۔ پھر ایک نوجوان لڑکے کی دوکان پر گئے جو آپکو پہچانتا نہ تھا اور تین درہم کا ایک قمیص خریدا جب اوسکا والد دوکان پر آیا تو کسی نے اوسکو خبر دی کہ تمھارے لڑکے نے امیرالمومنین کے ہاتھ ایک قمیص تین درہم کو بیچا ہے اوس نے خفا ہوکر کہا کہ امیرالمومنین سے ایک درہم زیادہ کیوں لیا اور ایک درہم لیکر حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ یہ درہم واپس لیجئے فرمایا کیا وجہ ہے کہا اوس قمیص کی قیمت دو درہم ہے فرمایا بیع وشرا تراضی طرفین سے ہوگئی اب اسکی ضرورت نہیں انتہی۔ یہی روایت ملا محمد باقر مجلسی نے بھی بحار الانوار فی فضائل سید الاخیار کی نویں جلد میں نقل کی ہے۔

کنزالعمال میں مروی ہے کہ زاذان کہتے ہیں کہ علی کرم اللہ وجہہ اپنی خلافت کے زمانہ میں بازاروں میں پھرکر راستہ بھولے ہووں کو راستہ بتلاتے کسی کی چیز گم ہوئی ہو تو اوسکی تلاش کرتے ضعیفوں کی مدد کرتے بقالوں اور عموماً دوکانداروں کے پاس جاکر

اونکو قرآن سناتے تھے۔

اور نیز بحار الانوار فی فضائل سید الاخیار جو حضرات شیعہ کی معتبر کتاب ہے اوسمیں منقول ہے کہ ایک روز علی کرم اللہ وجہہ کے روبرو خوان رکھا گیا جسمیں فالودہ تھا۔ آپنے اونگلی سے اوسے چکھا اور فرمایا "طیبٌ۔ طیبٌ" یعنے مکرر فرمایا کہ یہ اچھا ہے اور اوسکے بعد فرمایا کہ وہ حرام نہیں ہے لیکن میں جن چیزوں کا عادی نہیں ہوں اون کی عادت کرنا نہیں چاہتا چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کبھی نہیں کھایا۔ اسلئے ایسی چیز کھانے کو میں مکروہ سمجھتا ہوں۔ اور اوسی میں یہ روایت بھی ہے کہ ابو جندب کہتے ہیں کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ ایک بار سوکھی روٹی کھارہے تھے اور درشت لباس آپکے جسم مبارک پر تھا میں نے اس باب میں کچھ عرض کیا فرمایا اے ابو جندب! میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے کہ اس سے بھی زیادہ سوکھی روٹی کھاتے اور اس سے زیادہ خشن لباس پہنتے تھے اگر میں ایسا نہ کروں تو مجھے خوف ہے کہ حضرت کے ساتھ نہ مل سکوں۔ اور یہ روایت بھی اوسی میں ہے کہ قبیصہ ابن جابر کہتے ہیں کہ میں نے کسی ایسے شخص کو نہیں دیکھا جو علی کرم اللہ وجہہ سے زہد اور دنیا کی بے رغبتی میں بڑھا ہوا ہو۔ اور نیز یہ روایت بھی اوسی میں ہے کہ ضرار ابن حمزہ کہتے ہیں کہ ایک رات آپ بہت بیقرار تھے اور دنیا کی طرف خطاب کرکے فرمارہے تھے "ھیھات غری غیری لاحاجۃ لی فیك قد طلقتك ثلاثا لا رجعۃ فیھا" یعنے اے دنیا! تو کسی اور کو فریب دے مجھے تجھ سے کچھ حاجت نہیں میں تجھے تین طلاق دیچکا ہوں جن سے پھر رجعت نہیں ہوسکتی اور اوسی میں کشف سے نقل کیا ہے کہ عنترہ کہتے ہیں کہ ایک روز میں علی کرم اللہ وجہہ کی خدمت میں گیا دیکھا کہ پرانی چادر اوڑھے ہوے کانپ رہے ہیں میں نے عرض کی یا

امیر المومنین! حق تعالی نے آپکے اور آپکے اہل بیت کیلئے اس مال میں عام حق مقرر فرمایا ہے
اور آپ کی یہ حالت کہ اپنے نفس پر ایسی سختیاں اٹھا رہے ہیں کہ دیکھی نہیں جاتیں فرمایا
میں تمہارے اموال میں سے کچھ لینا نہیں چاہتا یہ چادر وہ ہے جسکو مدینہ سے لیکر میں نکلا تھا
اسکے سوا میرے پاس کوئی دوسری چادر نہیں۔ اور اوسی میں یہ روایت بھی ہے کہ ایک بار
حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے روبرو خوان لایا گیا جو سربمہر تھا کسی نے کہا حضرت خوان کو
سربمہر کرنا تو بخیلوں کا کام ہے حضرت نے تبسم فرمایا جب وہ کھولا گیا تو اوسمیں تھوڑا سا
ستو تھا اوسوقت آپنے فرمایا میں یہ احتیاط اسواسطے کرتا ہوں کہ کہیں ایسی چیز کھانے میں
نہ آجائے جو مشتبہ ہو انتہیٰ۔

دیکھئے ستو جو غذاؤں میں بالکل بے قدر چیز ہے اوسکا اسقدر قابل قدر اور عزیز ہونا
اس بات پر دلیل ہے کہ آپ بیت المال سے کچھ نہیں لیتے تھے۔ جیسا کہ روایت سابقہ سے ظاہر ہے
نہج البلاغۃ میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا قول نقل کیا ہے واللہ لدنیا کم ھذہ
اھون فی عینی من عراق خنزیر فی ید مجذوم یعنے خدا کی قسم یہ جو تمہاری دنیا ہے
میری آنکھوں میں اس سے بھی زیادہ خوار و ذلیل ہے جو خنزیر کی اوجھڑی کسی جذامی کے
ہاتھ میں ہو۔ دیکھئے اول تو اوجھڑی اوس پر خنزیر کی اور وہ بھی جذامی کے ہاتھ میں کس قدر
مکروہ طبع ہوگی۔ یہ اپنے صدق دل سے فرمایا تقیہ کو اسمیں کوئی دخل نہیں۔

یہاں قابل غور یہ بات ہے کہ ایک وسیع سلطنت کے انتظامات کو بذات خود انجام دینا
وہ بھی اس احتیاط کے ساتھ کہ کہیں ایسی بات وقوع میں نہ آجائے جو باعث عتاب الٰہی ہو
اور اوس پر باغیوں کا مقابلہ اور جنگ کی تیاریاں جس سے کبھی فرصت ہی نہ ملی۔ کوئی
آسان بات نہیں۔ پھر علاوہ اسکے کوفہ جیسے غدار شہر میں بازار بازار اور دوکان

دوکان امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے پھرنا اور اونکو قرآن پڑھ پڑھ کر سنانا اور راہ
بھٹکے ہوؤں کو راستہ بتانا اور ضعیفوں کی مدد کرنا پھر اتنے کاموں کے بعد اپنے ذاتی کسب سے
حلال روزی طلب کرنا کیا ہر کسی سے یہ ہونیکے کام ہیں؟

اب یہاں عقلا کو تھوڑی سی توجہ کرنے کی ضرورت ہے کہ جس خلافت کا یہ حال ہو
کہ نہ کھانے کو پیٹ بھر روٹی ملے نہ پہننے کو کپڑا اور اوس پر لوگوں کے کاموں کی کثرت
اسقدر کہ اپنے ذاتی کسب معاش کے لئے فرصت ملنی دشوار پھر ہر وقت یہ خوف لگا ہو
کہ مبادا کسی کام میں غفلت ہو تو عتاب الٰہی ہو جائے کیا ایسی خلافت اس قابل ہو سکتی ہے
کہ آدمی شوق سے اوسکو قبول کرسکے؟ میری رائے میں تو ایسی خلافت قبول کرنیکے لئے
کچھ نذرانہ بھی قبولا جائے تو کوئی عاقل اوسکو قبول نہ کریگا۔ مگر چونکہ وہ صرف عبادت
ہی عبادت تھی اسلئے اون حضرات نے اوسکو قبول کیا تھا۔

بحار الانوار کی جلد نہم صفحہ (۵۰۰) میں ملائے مجلسی موصوف نے بتصریح لکھا ہے کہ صحابہ
میں ورع کے ساتھ معروف یہ حضرات ہیں۔ علی۔ ابوبکر۔ عمر۔ ابن مسعود۔ ابوذر۔ سلمان
عمار۔ مقداد۔ عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہم۔ ایسے حضرات جن کے ورع کے شیعہ اور سنی
دونوں قائل ہیں کیونکر خیال کیا جاسکتا ہے کہ خواہش نفسانی نے اونکو خلافت پر آمادہ کیا تھا
غرضکہ وہ خلافت ایسی نہ تھی جیسی کہ فی زمانا سمجھی گئی ہے کہ جب کسی شیخ طریقت کا انتقال
ہو گیا تو اونکا فرزند یا پوتا یا نواسہ مستحق خلافت ہو گیا اور فاتحہ سیوم کے روز سب مرید
جمع ہو کر مستحق کو خلیفہ اور صاحب سجادہ بنادیا۔ اگر وہ خلافت بھی اسی قسم کی ہوتی تو
خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت امام حسن علیہ السلام کو اپنا خلیفہ مقرر فرماتے
اور اگر حضرت نے نہیں بھی فرمایا تو سب مسلمان بلحاظ جزئیت اونہی کو خلیفہ قرار دیتے۔

اور تو اور خود علی کرم اللہ وجہہ کی بھی نوبت نہ آتی برخلاف اسکے وہاں تو بات ہی کچھ اور تھی
حاکم رح نے مستدرک میں یہ حدیث لکھی ہے کہ علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا کہ آپکے بعد ہم کس کو امیر بنائیں فرمایا اگر ابوبکرؓ کو بناؤگے تو اونکو ہادی اور امین اور دنیا سے بے تعلق اور آخرت کے راغب پاؤگے۔ اور اگر عمرؓ کو بناؤگے تو اونکو قوی امین اور ایسے شخص پاؤگے کہ خدا کے معاملہ میں کسی کی ملامت کا اونکو خوف نہیں اور اگر علیؓ کو بناؤگے تو اونکو ہادی ومہدی پاؤگے جو تمھیں سیدھی راہ پر لیچلے اور میں نہیں خیال کرتا کہ تم اونکو امیر بناؤگے انتہیٰ۔ دیکھئے حاکم رح باوجودیکہ شیعی تھے جیسا کہ کتب رجال سے ظاہر ہے۔ وہ اس روایت کو نقل کرتے ہیں تو کہئے کہ کس درجہ وہ قابل وثوق ہوگی۔ غرضکہ جن حضرات کا نام آپنے لیا اونمیں قرب قرابت کا کوئی لحاظ نہ تھا۔ بلکہ صلاحیت ذاتی مدنظر تھی۔ پھر صدیق اکبرؓ نے عمرؓ کو خلافت دی باوجودیکہ آپ کے صاحبزادے موجود تھے۔ پھر عمرؓ نے خلافت کو شورہ پر محول کیا۔ حالانکہ آپکے بھی صاحبزادے موجود تھے
تاریخ الخلفاء میں لکھا ہے کہ کسی نے عمرؓ سے کہا کہ آپ نے اپنے فرزند عبداللہ بن عمرؓ کو خلیفہ کیوں نہیں بنایا فرمایا خدا تجھے غارت کرے کیا ایسے شخص کو خلیفہ بناؤں جو اپنی عورت کو اچھی طرح طلاق نہ دیسکا۔ مطلب یہ کہ خلافت کیلئے علم ولیاقت درکار ہے قرابت کا کوئی لحاظ نہیں۔ اسی طرح عثمانؓ کے فرزند بھی موجود تھے مگر اونکو نہ آپنے خلیفہ بنایا نہ مسلمانوں نے۔ اسی طرح حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے کہا گیا آپ اپنا خلیفہ ہم پر مقرر نہیں کرتے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا خلیفہ مقرر نہیں فرمایا پھر میں کیونکر کرسکتا تھا۔

ابوبکر رضی اللہ عنہ خلافت کے انکاری

پھر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ جو خلیفہ مقرر ہوے سو وہ بھی خواہش سے نہیں۔ چنانچہ

تاریخ الخلفاء وغیرہ میں لکھا ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہوا تو عمر رضی اللہ عنہ
ابو عبیدۃ بن الجراح رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور کہا کہ ہاتھ بڑھائیے تاکہ میں آپکے ہاتھ پر
بعیت کروں کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کی روسے آپ کا امین امت ہونا
ثابت ہے اونھوں نے کہا اے عمرؓ! جب سے تم اسلام لائے ہو کبھی میں نے تم سے ایسی
بے وقوفی کی حرکت نہیں دیکھی جو اسوقت دیکھ رہا ہوں - کیا تم مجھے خلیفہ بنانا چاہتے ہو
حالانکہ صدیق - ثانی اثنین مسلمانوں میں موجود ہیں - ازالۃ الخفاء میں مولانا شاہ
ولی اللہ صاحب نے بخاری وغیرہ سے نقل کیا ہے کہ عمرؓ کہتے ہیں کہ جب خلافت کا معاملہ
انصار سے طے ہوا تو ابو بکر رضی اللہ عنہ نے میرا اور ابو عبیدۃ ابن الجراح کا ہاتھ پکڑ کر اون سے
کہا کہ میں راضی ہوں کہ ان دونوں میں سے کسی ایک کے ہاتھ پر بعیت کرلو - اور ایک
روایت میں ہے کہ عمرؓ نے انصار سے کہا کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بعیت کرو اونھوں نے
کہا اے عمرؓ! تم مجھسے قوی ہو - اونھوں نے کہا آپ مجھسے افضل ہو پھر ابو بکرؓ نے وہی کہا
اور عمرؓ نے وہی جواب دیا - جب تیسرے بار ابو بکرؓ نے وہی کہا تو عمرؓ نے جواب دیا کہ میری
قوت آپکے ساتھ رہیگی - اور آپ افضل بھی ہیں یعنے فضیلت اور قوت دونوں آپکے لئے
ہیں اوسوقت آپنے بعیت لی انتہی - اور اوسی میں مستدرک حاکم سے نقل کیا ہے کہ ابو بکر
صدیق رضی اللہ عنہ نے خطبہ پڑھا اور اوسمیں یہ بیان کیا کہ میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں
کہ کسی دن یا کسی رات میں نے امارت کی حرص نہیں کی اور نہ مجھے اوسکی رغبت تھی اور نہ
کبھی میں نے خدائے تعالی سے ظاہر میں یا پوشیدہ طور پر اوسکی درخواست کی لیکن جب
دیکھا کہ فتنہ کا خوف ہے اس لئے ضرورۃً قبول کیا - مجھے امارت میں کوئی راحت نہیں
ایک ایسے بڑے کام کا بوجھ میں نے اوٹھایا ہے کہ مجھ میں اوسکی طاقت نہیں جب تک

خدائے تعالیٰ مجھے طاقت ندے اور مجھے اب بھی آرزو ہے کہ کوئی شخص میری جگہ ہو اور اوسکو سر انجام دے انتہیٰ۔

تاریخ الخلفا میں مستدرک حاکم سے نقل کیا ہے کہ ایک روز ابوبکر رضی اللہ عنہ کسی باغ میں گئے دیکھا کہ ایک چڑیا جھاڑ کے سایہ میں بیٹھی ہے ایک لمبی سانس کھینچکر کہا اے چڑیا! تو بڑی خوش قسمت ہے کہ جھاڑوں سے کھالیتی ہے اور اونکے سایہ میں راحت پاتی ہے کاش ابوبکر بھی تجھ سا ہوتا انتہیٰ۔ اور اوسی میں امام احمد رح کے کتاب الزہد سے نقل کیا ہے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کا قول تھا کہ کاش میں کسی ایماندار کے پہلو کا ایک بال ہوتا اور کبھی فرماتے مجھے آرزو آتی ہے کہ کاش میں جھاڑ ہوتا جسکو جانور کھالیتے انتہیٰ۔ ازالۃ الخفا میں محب طبری کی کتاب الموافقہ سے نقل کیا ہے کہ ایک روز عمرؓ مدینہ منورہ کے راستہ میں جارہے تھے کہ حضرت علیؓ اودھر سے تشریف لائے اور آپکے ہمراہ امام حسنؓ و امام حسین علیہما السلام بھی تھے۔ علی کرم اللہ وجہہ بعد سلام اونکے ہاتھ میں ہاتھ ملائے ہوئے ساتھ ہولئے اور دونو صاحبزادہ دونوں بازو پر ہوگئے دیکھا کہ عمرؓ رو رہے ہیں پوچھا اے امیر المومنین! آپ کیوں رو رہے ہو۔ کہا اے علی! مجھ سے زیادہ رونیکا مستحق کون ہے میری یہ حالت ہے کہ میں اس امت کا والی بنایا گیا ہوں اور میں حکم کرتا ہوں معلوم نہیں میں گنہگار ہو رہا ہوں یا اچھا کام کر رہا ہوں۔ علی رضی اللہ عنہ نے کہا میں قسم کھاکر کہتا ہوں کہ آپ معاملات میں عدل کرتے ہو مگر اس سے آپ کا رونا تھما نہیں۔ اسکے بعد امام حسن علیہ السلام نے آپکے عدل وغیرہ کا حال بیان کرکے تسکین دی۔ جب بھی آپ روتے رہے اسکے بعد امام حسین علیہ السلام نے آپکے عدل وغیرہ کا حال بیان کرکے تسکین دی اوسوقت آپکا رونا تھما۔ اور دونوں صاحبزادوں کی طرف مخاطب ہوکر کہا کیا آپ اسکی گواہی دیتے ہو دونوں

صاحبزادے اپنے والد ماجد کی طرف دیکھنے لگے علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا ہاں گواہی دو میں بھی تمھارے ساتھ گواہی دیتا ہوں انتہی۔ یہ رونا دھونا خلافت ہی کی بدولت تھا جس نے اونکی جان کو آفت میں ڈال رکھا تھا۔

تاریخ الخلفا میں شعب الایمان سے نقل کیا ہے کہ عمرؓ آرزو کرتے تھے کہ کاش میں دنبہ ہوتا لوگ جتنا چاہتے مجھے موٹا کرتے پھر جب کبھی اونکے یہاں کوئی دوست مہمان آتا تو مجھے ذبح کرتے اور تھوڑا گوشت بھونتے اور کچھ کباب بناتے اور کھاتے انتہی۔ غور کیجئے کہ کس قدر خوف ان حضرات پر طاری ہوگا کہ اس قسم کی تمنا کرتے تھے یہ اسی نرالی حالت نے اونکو ایسا بنا دیا تھا کہ اون سے جو فعل صادر ہوتے وہ بھی نرالے ہوتے تھے۔ دیکھئے عمر رضی اللہ عنہ کے حال میں تاریخ الخلفا وغیرہ میں لکھا ہے کہ وہ اکثر راتوں کو گشت کرتے اور لوگوں کے حالات خفیہ طور پر دریافت کرکے اونکی حاجت روائیاں کرتے اور دن کو فصل خصومات قضاے حاجات انتظام سلطنت اور خبرگیری رعایا و برایا میں مشغول رہتے یہانتک کہ غنیمت کے اونٹوں کی خدمت بھی اپنی ذات سے کرتے تھے۔ چنانچہ اونکی پیٹھ پر زخم پڑتے تو اپنا ہاتھ زخم میں ڈالکر صاف کرتے اور دوا لگاتے اور کہتے کہ میں ڈرتا ہوں کہ کہیں خداے تعالی تمھارے باب میں مجھ سے سوال نہ کرے انتہی۔ عمر رضی اللہ عنہ کے حالات پر نظر ڈالی جائے تو صاف معلوم ہوگا کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے امر واجب الامتثال کے لحاظ سے خالصاً لوجہ اللہ خدمت گذاری خلق کو آپنے قبول کیا تھا۔

پھر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خلافت کا جب وقت آگیا اور صحابہ نے آپ سے درخواست کی تو آپ نے بھی انکار ہی کیا چنانچہ تاریخ کامل وغیرہ میں لکھا ہے کہ عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد مہاجرین و انصار جمع ہوئے جن میں طلحہ اور زبیر رضی اللہ عنہما بھی تھے۔

اور بالاتفاق یہ رائے قرار پائی کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ہاتھ پر بیعت ہونی چاہیئے چنانچہ سب
اسی غرض سے آپکے پاس آئے اور آپنے فرمایا مجھے اس خدمت کی حاجت نہیں آپ لوگ جسکو چاہو اختیار
کرو میں راضی ہوں۔ سب نے کہا ہم آپکے سوائے کسی دوسرے کو پسند نہیں کرتے کئی بار طرفین
سے یہی رد و قدح ہوتی رہی آخر سب نے کہا کوئی شخص ایسا نہیں جو آپ سے زیادہ اس
خدمت کا مستحق ہو جو قرابت آپکو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہے اور جو دین میں
آپکو قدامت حاصل ہے وہ کسی کو نہیں آپنے کہا مجھے معاف کرو۔ میں مصلحت اسی میں دیکھتا ہوں
کہ میں وزیر رہوں اور کوئی دوسرا امیر ہو سب نے کہا۔ خدا کی قسم ہم جبتک آپ کے ہاتھ پر
بیعت نہ کرینگے کوئی کام نہ کرینگے۔ آپنے مجبور ہو کر قبول فرمایا چنانچہ پہلے طلحہ رضی اللہ عنہ نے
آپکے ہاتھ پر بیعت کی۔ حبیب ابن ذویب نے یہ دیکھتے ہی اِنَّا لِلّٰہِ پڑھا۔ اور کہا کہ مجھے امید
نہیں کہ یہ کام انجام پائے اس لئے کہ پہلے جو ہاتھ بیعت کیلئے پیش ہوا وہ شل ہے۔ پھر زبیر
رضی اللہ عنہ نے بیعت کی اوسوقت بھی آپنے فرمایا کہ اگر آپ میرے ہاتھ پر بیعت کرنے کو
پسند کرتے ہو تو خیر ورنہ میں آپکے ہاتھ پر بیعت کرتا ہوں اونھوں نے کہا کہ ہم سب یہی پسند
کرتے ہیں کہ آپکے ہاتھ پر بیعت کریں انتہیٰ۔ اور اوسی میں لکھا ہے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ نے
جب آپکے پاس کچھ پیام کہلایا اوسوقت آپنے خطبہ پڑھا جسمیں یہ بات بھی فرمائی کہ جب
لوگوں نے عثمان رضی اللہ عنہ کو قتل کیا تو صحابہ جمع ہو کر میرے پاس آئے اور بیعت لینے کی
درخواست کی ہر چند میں نے انکار کیا مگر کسی نے نہ مانا اور یہی کہتے رہے کہ ہم سوائے آپکے
کسی سے راضی نہیں اگر آپ بیعت نہ لینگے تو لوگوں کے متفرق ہو جانیکا خوف ہے غرضکہ
جب لوگوں نے اتنا اصرار کیا تو اوسوقت میں نے بیعت لی انتہیٰ۔
ناسخ التواریخ کی جلد سوم صفحہ (۱۷) میں لکھا ہے کہ جب علی کرم اللہ وجہہ کے پاس لوگ

بیعت کیلئے حاضر ہوئے فرمایا دعونی والتمسوا غیری فانا مستقبلون امرا لہ وجوہ و الوان لا تقوم لہ القلوب ولا تثبت لہ العقول وان الآفاق قد اغامت والمحجۃ قد تنکرت واعلموا انی ان اجبتکم رکبت بکم ما اعلم ولم اصغ الی قول القائل وعتب العاتب وان ترکتمونی فانا کاحدکم ولعلی اسمعکم واطوعکم لمن ولیتموہ امرکم وانا لکم وزیرا خیر لکم منی امیرا اور یہی روایت نہج البلاغۃ کے جلد اول میں بھی ہے ترجمہ اسکا یہ ہے۔ علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ مجھے چھوڑ دو اور خلافت کے لئے کسی دوسرے شخص کو تلاش کرو کیونکہ یہ کام ایسی مختلف اور رنگارنگ صورتوں میں پیش نظر ہو رہا ہے کہ جنکو دل برداشت نہیں کرسکتے اور عقلیں ثابت نہیں رہ سکتیں آفاق میں اندھیرا اور راستہ ناآشنا ہو گیا ہے۔ پھر یہ سمجھ رکھو کہ اگر میں تمھاری بات کو قبول کرلوں تو تم کو اوس کام پر مسلط اور مامور کرونگا جس کو میں جانتا ہوں پھر اوسوقت نہ کسی کی کوئی بات سنونگا اور نہ کسی کے عتاب کی پرواہ کروں گا اور اگر تم مجھے چھوڑ دوگے تو میں بھی تم جیسا ایک مسلمان ہوں جسکو تم خلیفہ مقرر کروگے امید ہے کہ تم سے زیادہ میں اوسکی بات سنونگا اور اطاعت کرونگا میرا وزیر ہونا تمھارے حق میں اس سے بہتر ہوگا کہ میں امیر رہوں انتہی۔

اس روایت سے بھی ظاہر ہے کہ علی کرم اللہ وجہہ نے خلافت کے قبول کرنے سے انکار کیا اور صاف فرمادیا کہ کسی اور کو خلیفہ بناؤ تو بہتر ہوگا اور میں بھی اوسکی اطاعت کرونگا اس سے منکشف ہی کہ علی کرم اللہ وجہہ خلیفۂ وقت کی اطاعت کو نہایت ضروری سمجھتے تھے اور نیک نیتی سے صاف فرمایا کہ تم جس کو خلیفہ بناؤگے اوسکی اطاعت تم سے زیادہ کرونگا۔ اب اسکے بعد یہ خیال کرنا کہ خلفائے ثلاثہ کی اطاعت آپنے نہیں کی اور کی بھی

دعونی والتمسوا غیری

ان ترکتمونی فانا کاحدکم

انا اسمعکم واطوعکم لمن

توجبری طور پر ہرگز قرین قیاس نہیں - پھر یہاں یہ بھی خیال نہیں ہوسکتا کہ آپنے تقیہ سے یہ فرمایا ہوگا
اس لئے کہ یہ موقعہ وہ تھا کہ جتنے ارباب حل وعقد وہاں موجود تھے وہ سب بالاتفاق آپکے
دست نگر تھے اور منتیں کر رہے تھے کہ آپ ہی بیعت لیں - یہاں یہ بات بھی قابل توجہ ہے
کہ آپنے جو فرمایا کہ اگر تم مجھے خدمت خلافت سے معاف رکھوگے تو میں بھی تمھارے جیسا
ایک شخص ہونگا اور امام کی اطاعت سب سے زیادہ کرونگا - اگر اسی بنا پر لوگ کسی اور کو
خلیفہ بنا لیتے تو آپکے نہ وصی ہونے میں کلام ہوسکتا نہ باب مدینۃ العلم ہونے میں فرق آتا
نہ دوسرے فضائل وصفات جو احادیث میں وارد ہیں بے موقع سمجھے جاتے اور حسب
اقرار وارشاد آپ مثل اوروں کے خلیفہ وقت کے مطیع ہوتے گو خدمت وزارت آپ ہی کو
مسلم ہوتی - اس سے ثابت ہے کہ وصی وغیرہ ہونے کو خلیفہ ہونا لازم نہیں اسی وجہ سے
آپنے خلفائے ثلاثہ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی -

آپنے اپنی وزارت کو امارت پر جو ترجیح دی اوسمیں اوس حدیث شریف کے طرف
اشارہ ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مَن کُنتُ مَولَاہُ فَعَلِیٌّ مَولَاہُ
یعنے جس کا میں مولا ہوں علیؓ بھی اوسکے مولا ہیں - اس لئے کہ مولی ولی سے ماخوذ ہے اور
ولی کے معنے دوست اور ناصر کے ہیں جیسا کہ حق تعالی فرماتا ہے اَللّٰہُ وَلِیُّ الَّذِینَ اٰمَنُوا
یعنے اللہ اون لوگوں کا ناصر ومددگار ہے جو ایمان لائے اور اولیاء اللہ بھی چونکہ حق تعالی
کی مدد کرتے ہیں اسلئے اونکا بھی لقب ولی ٹھیرایا گیا کما قال تعالی اَلَاۤ اِنَّ اَولِیَآءَ اللّٰہِ
لَا خَوفٌ عَلَیہِم وَلَا ہُم یَحزَنُونَ یعنے آگاہ رہو کہ اولیاء اللہ کو کچھ خوف نہیں اور
نہ وہ غمگین ہونگے - اگر کہا جائے کہ خدائے تعالی کی مدد کرنا ممکن نہیں تو اوسکا جواب یہ ہے
کہ حق تعالی فرماتا ہے اِن تَنصُرُوا اللّٰہَ یَنصُرکُم یعنے اگر تم خدا کی مدد کروگے تو خدا بھی

معنی حدیث من کنت مولاہ فعلی مولاہ

مولا کے معنی

تمھاری مدد کریگا اس سے ظاہر ہے کہ مسلمانوں کو خدا کی مدد کرنے کی ضرورت ہے البتہ مدد مدد میں فرق ہے بندہ کی مدد اسی قدر ہے کہ اپنی حیثیت کے مطابق کار خیر میں اپنی قوت صرف کرے پھر جب اوس نے پورے طور پر اپنی قوت کو مرضیات الٰہی میں صرف کیا تو اللہ تعالیٰ اوسکی پوری مدد کرتا ہے اور ولی اللہ کا لقب اوس پر صادق آجائیگا۔

مولیٰ لغت عرب میں کئی معنی میں مستعمل ہے چنانچہ لسان العرب میں لکھا ہے کہ اوسکے معنی رب۔ سید۔ منعم۔ معتق۔ ناصر۔ محب۔ تابع۔ جار۔ ابن عم۔ صہر۔ عبد معتق۔ اور منعم علیہ کے ہیں۔ ادنیٰ تامل سے معلوم ہو سکتا ہے کہ ان سب معنی میں نصرت ملحوظ ہے اسی وجہ سے آزاد کرنے والے کو بھی مولیٰ کہتے ہیں اور آزاد کئے ہوئے غلام کو بھی۔ کیونکہ دونوں ایک دوسرے کے ممد و معاون ہوتے ہیں اور یہی وجہ اونکے محبت کی بھی ہے اور حلیف کا بھی یہی حال ہے کہ ایک دوسرے کی نصرت کا اقرار اور معاہدہ کرلیتے ہیں اس لئے ہر ایک دوسرے کا مولیٰ کہا جاتا ہے اس سے ثابت ہے کہ مولیٰ کے لئے افضل ہونا شرط نہیں جیسا کہ اس آیۂ شریفہ سے بھی معلوم ہوتا ہے قولہ تعالیٰ وَاِنِّيْ خِفْتُ الْمَوَالِيَ مِنْ وَّرَآئِيْ یعنے ذکریا علیہ السلام نے کہا کہ مجھے خوف ہے میرے موالی یعنے بنی اعمام سے اور حق تعالیٰ فرماتا ہے فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوْلٰىهُ وَجِبْرِيْلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِيْنَ یعنے خدائے تعالیٰ اور جبرئیل اور نیک بخت اہل ایمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ناصر و مددگار ہیں۔ دیکھئے اس آیہ شریفہ میں عموماً اہل اسلام بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مولیٰ قرار دیئے گئے۔ اور قرآن شریف میں ہے اَنْتَ مَوْلٰىنَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ یعنے تو ہمارا مولیٰ یعنے ناصر اور مددگار ہے ہم کو کافروں پر مدد دے۔ غرضکہ جتنے معنی میں مولیٰ مستعمل ہے سب میں نصرت اور دوستی ملحوظ ہے جس سے ظاہر ہے کہ مولیٰ کے اصلی معنی ناصر و مددگار کے ہیں اسی وجہ سے

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ میرا وزیر رہنا امیر رہنے سے اولیٰ ہے - کیونکہ وزیر خلیفہ وقت کا ناصر و مددگار رہتا ہے جس پر مولیٰ کے معنی پورے پورے صادق آتے ہیں اور اوس سے تمام مسلمانوں کی مدد کا بھی پورا موقعہ ملتا ہے اس صورت میں من کنت مولاہ فعلی مولاہ کا مطلب یہ ہوا کہ جس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تمام مسلمانوں کے ممد و معاون ہیں اسی طرح علی کرم اللہ وجہہ بھی ہیں - چنانچہ اسی کی مؤید یہ ہے کہ کسی نے علی کرم اللہ وجہہ سے پوچھا کہ کیا وجہ ہے کہ آپ کی خلافت میں بدنظمی ہے اور شیخین کی خلافت میں نہایت انتظام تھا آپنے فرمایا کہ انکے وزیر ہم تھے - اور ہمارے وزیر تم ہواور قاعدہ کی بات ہے کہ وزیر کی لیاقت کے مطابق انتظام ہوا کرتا ہے -

جب یہ بات ثابت ہوگئی کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا وزیر ہونا بہ نسبت امیر اور خلیفہ ہونیکے مسلمانوں کے حق میں زیادہ تر مفید تھا جس کی خبر خود حضرت نے دی جو نہج البلاغہ وغیرہ کتب معتبرہ شیعہ سے ثابت ہے - اور تعجب نہیں کہ مسلمانوں نے جو آپ کے اس ارشاد کی مخالفت کرکے آپکو خلیفہ مقرر کیا اوسی مخالفت کی نکبت سے پوری مدت خلافت میں کل مسلمان پریشانیوں میں رہے - اس صورت میں یہ کیونکر ہوسکے کہ من کنت مولاہ کی حدیث سے آپ کی خلافت مقصود ہے اگر ایسا ہوتا تو حضرت امیر المومنین اس سے واقف ہوتے اور اوسکے خلاف کبھی نہ فرماتے -

یہ بات قرین قیاس معلوم نہیں ہوتی کہ جب کل صحابہ مہاجرین و انصار وغیرہ نے بالاتفاق اور بطیب خاطر آپکے ہاتھ پر بیعت کرنا چاہا تو اوسوقت تو آپنے انکار کیا اور خواہش اوسوقت کی کہ کل صحابہ ابوبکرؓ کی خلافت پر راضی ہوگئے تھے - ہاں یہ ثابت ہے کہ آپنے بیعت میں کسی قدر تاخیر کی اور بعضے روایات سے آپکا ملال بھی معلوم ہوتا ہے مگر اسکی

وجہ دوسری تھی غرضکہ خلافت کا آپکو نہ شوق تھا نہ سوائے خوشنودی خدا و رسول کے اوس سے آپنے کوئی نفع حاصل کیا۔

ازالۃ الخفا میں مستدرک حاکم سے نقل کیا ہے کہ ایک روز حضرت علی کرم اللہ وجہہ کسی واقعہ سے نہایت غمگین ہوئے اور امام حسن علیہ السلام سے بکمال حسرت فرمایا کہ کاش میں بیس سال پہلے مرگیا ہوتا انتہی۔

اب کہئے کہ یہ خلافت آفت تھی یا راحت لوگوں کو اس مسئلہ میں اشتباہ اسوجہ سے ہوا کہ اونھوں نے خلافت نبوت کو سلطنت دنیوی پر قیاس کرلیا جس سے تعلی اور آسایش مقصود ہوتی ہے حالانکہ دونوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ ظاہر بینوں کی نظر میں غالباً یہ بات ہوگی کہ علی کرم اللہ وجہہ نے عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد جو تعلی کیا وہ صرف نمائشی تھا دراصل وہ آپکی قدیم آرزو تھی جسکو رکاوٹوں نے پوری ہونے نہیں دیا تھا پھر جب ایک مدت کے بعد وہ خواہش پوری ہوئی تو اوسوقت بھی لوگ دیکھ نہ سکے اور عمر بھر آپکو راحت نہ لینے دی۔ چنانچہ ساتھ ہی لڑائیاں شروع ہوگئیں مگر قرائن اوسکے خلاف میں گواہی دیرہے ہیں جن سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کا تعلق ظاہری نہ تھا بلکہ خود طبیعت فقر دوست اور مسکنت پسند واقع ہوئی تھی۔ آپکو دنیا سے کوئی تعلق نہ تھا۔

ناسخ التواریخ[ع] صفحہ ۱۶۳ میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا خط موسومۂ معاویہؓ نقل کیا ہے جس کا ترجمہ یہ ہے کہ جب لوگ ابوبکرؓ کے ہاتھ پر بیعت کرنے لگے تو تمھارے باپ ابوسفیان میرے پاس آئے اور کہا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ سے زیادہ خلافت کا کوئی مستحق نہیں ہے میں ذمہ دار ہوتا ہوں کہ جو کوئی آپکی مخالفت کریگا میں اوسکی سرکوبی کرونگا آپ ہاتھ بڑھائیے

ع مصنف ناسخ التواریخ علامہ محمد تقی لسان الملک مستوفی دیوان اعلی سلطنت ایران ابقاہ اللہ الی یوم القیام المستخلفہ حضرات شیعہ سے ہیں ۱۲

میں آپکے ہاتھ پر بیعت کرتا ہوں مگر میں نے اوسکو قبول نہیں کیا انتہی ملخصاً۔ اگر انکو خلافت منظور ہوتی تو ابو سفیان جیسے شخص کا ذمہ دار مدد ہونا کوئی معمولی بات نہ تھی۔

یہاں شاید کسی کو یہ خیال ہو کہ ابو سفیان کو علی کرم اللہ وجہہ کے ساتھ خاندانی عداوت تھی اسلئے اونکا بیعت پر اقدام کرنا خالی از مصلحت و مکر نہیں۔ مگر یہ صرف بدگمانی ہے ابو سفیان کو ضرور علی کرم اللہ وجہہ کی تائید کا خیال پیدا ہو گیا تھا اوسکی وجہ یہ ہے کہ وہ ایک بوڑھے پرانے خیال کے آدمی تھے جنکی عمر کا اکثر حصہ جاہلیت میں بسر ہوا تھا عصوبت جاہلیت اونکی طبیعت میں متمکن تھی۔ چونکہ عرب کی خمیر اور جبلت میں عصوبت داخل ہے کہ جو قبیلہ نسب میں اپنے قریب ہو اوسکے مقابلہ میں اگر کوئی کھڑا ہو جائے تو قریب کے نسب والے قبیلوں کو اوسکی مدد کرنا ضروری ہے گو باہمی جھگڑے اور مخالفتیں ہوں چنانچہ اسکا ثبوت اس واقعہ سے بھی ہوتا ہے جو تاریخ کامل کی جلد سیوم صفحہ (۶۴) میں لکھا ہے کہ جب بلوائیوں نے عثمانؓ پر سختی شروع کی آپ علی کرم اللہ وجہہ کے یہاں جھپکر گئے اور فرمایا یوں تو میرے حقوق آپ پر بہت سارے ہیں مگر سب سے قطع نظر کرکے فرض کیا جائے کہ کوئی حق ثابت نہیں اور ہم جاہلیت ہی میں ہیں تو بھی عبد مناف کی اولاد پر بڑے عار کی بات ہے کہ ایک بنی تیم کا شخص یعنے طلحہ اونسے حکومت چھین لے انتہی ملخصاً اسی بنا پر ابو سفیان کو سخت ناگوار تھا کہ ابو بکرؓ (جنکی قرابت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت دور کی ہے جو کعب بن لوی میں یعنے آٹھویں پشت میں ملے ہیں) علیؓ سے حکومت چھین لیں چونکہ بنی امیہ جنمیں ابو سفیان بھی ہیں اونکو بنی ہاشم سے بہت قریب کا تعلق ہے اسلئے اُن پر بحسب اصول حمیت علی کرم اللہ وجہہ کی مدد کرنا ضروری تھا۔ استیعاب میں لکھا ہے کہ جب ابو بکرؓ کے ہاتھ پر بیعت کی گئی تو ابو سفیان علی کرم اللہ وجہہ کے پاس آئے

اور کہا کیسی بات ہو کہ قریش کا ایک چھوٹا گھر تم سے حکومت چھین لے خدا کی قسم اگر تم چاہتے ہو تو تمھاری مدد کے لئے اتنے سوار اور پیادے جمع کر دوں کہ مدینہ میں جگہ نہ ملے انتہیٰ ملخصاً۔ اور نہج البلاغہ میں بھی یہی مضمون مفصل موجود ہے۔ انکو کثیر التعداد فوج فراہم کرنیکا اطمینان اسوجہ سے تھا کہ اکثر قبائل قریش عصوبت قومی سے ضرور آمادہ جنگ ہو جاتے۔ اور علی کرم اللہ وجہہ بھی سمجھ گئے تھے کہ ابو سفیان کی یہ باتیں صرف زبانی نہیں بلکہ صاحب عزم وارادہ ہیں جو کہتے ہیں وہ کر بتائینگے چنانچہ اسی خط میں جو معاویہ کے نام سے لکھا ہے یہ عبارت موجود ہے

وانت تعلم ان اباك قد قال ذلك ارادة حتى كنت انا الذى ابيت تقرب عهد الناس بالكفر مخافة الفرقة بين اهل الاسلام

یعنے تم جانتے ہو کہ تمھارے والد نے محبت جتانے کی غرض سے نہیں کہا تھا بلکہ اوسکا حزم وارادہ کر لیا تھا مگر میں نے انکار کیا اس خیال سے کہ اہل اسلام میں تفرقہ پڑ جائیگا۔

دیکھئے ابو سفیان جیسے مدبر شخص جن کی وجاہت تمام قبائل عرب میں مسلم تھی اور اونھیں کے تدابیر سے تمام عرب کے قبائل مدتوں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ کرتے رہے۔ علی کرم اللہ وجہہ کو کمک دینے پر آمادہ ہو گئے تھے گو اسلام میں اونکی وجاہت ابو بکرؓ کے مقابلہ میں کچھ نہ تھی مگر علی کرم اللہ وجہہ کی قومی وجاہت اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے قرب قرابت اور ذاتی شجاعت اونکے تدابیر کے ساتھ ہوتی تو مسلمانوں میں ایک تہلکہ تو ضرور پڑ جاتا۔ مگر سبحان اللہ حضرت علیؓ ہی کا حوصلہ تھا کہ اوس طرف توجہ تک نہ کی اور خلافت سے صاف انکار کر دیا۔ اب اسکے بعد وہ اظہار مظلومیت اور بیکسی کی روایتیں کہ خلافت لینے کی غرض سے آپ حضرت بی بی فاطمہ علیہا السلام کو ہر رات ہمراہ لیکر ایک ایک کے گھر جاتے اور مدد کی درخواست کرتے اور اس قسم کی روایتیں جو

آیندہ کسی موقع میں انشاء اللہ تعالی لکھی جائینگی کیا صحیح ہوسکتی ہیں۔

آپکے دل کی بات یہ تھی کہ کسی طرح خلافت سے سبکدوش رہیں اسوجہ سے بہت سی تدبیریں کیں کہ کسی طرح اوس سے پیچھا چھوٹے مگر چونکہ تقدیر الہی میں ٹھیر چکا تھا کہ آپ خاتم الخلفا ہوں اسلئے مجبوراً قبول کرنا پڑا۔ دیکھئے پہلے صاف انکار کر دیا جیسا کہ ابھی معلوم ہوا اور لوگوں کو سمجھا دیا کہ مجھے خلیفہ بنانے میں مصلحت نہیں البتہ وزیر بناؤ تو تمھارے حق میں اچھا ہے پھر تنگ ہوکر فرمایا میرا پیچھا چھوڑو اس کام کیلئے کسی اور کو تلاش کرلو جیسا کہ نہج البلاغہ صفحہ (۸۷ و ۸۸) میں مذکور ہے۔ پھر جب دیکھا کہ وہ مانتے ہی نہیں تو مجبور ہو کر فرمایا کہ اگر اسی کو ضرور سمجھتے ہو تو اس کام کیلئے مسجد میں ایک عام جلسہ کرو تا کہ تمام مسلمان حاضر ہوں مقصود یہ کہ سب کی رائے کبھی متفق نہو گی اسلئے حیلہ کو موقع ملجائیگا جیسا کہ ناسخ التواریخ صفحہ ۱۸ میں لکھا ہے ومی گفتند ما نحن بمفارقیك حتی نبایعك قال ان كان ولا بد من ذلك ففی المسجد یعنے سبنے کہا کہ ہم آپکو کبھی نہ چھوڑینگے۔ جبتک کہ آپکے ہاتھ پر بیعت نہ کرلینگے فرمایا اگر اسی کو ضروری سمجھتے ہو تو یہ تقریب مسجد میں ہو۔ مگر اوسکے ساتھ یہ بھی فرما دیا کہ معلوم رہے کہ اوس مجمع میں اگر ایک شخص بھی خلاف کرے تو میں پھر کسی سے بیعت نہ لونگا جیسا کہ ناسخ التواریخ صفحہ (۲۰) میں ہے وہمچناں امیر المومنین در بدو فرمود کہ اگر ہمہ یک تن از بیعت من سرتا بد سر دریں کار در نخواہم آورد انتہی۔ اور اُسی صفحہ ۲۰ میں لکھا ہے کہ ابن عباس گوید در روز بیعت علی سخت بیمناک بودم چہ بسیار کس دراں انجمن حاضر بودند کہ پدر و برادر ایشاں را علی با تیغ درگذرانیدہ ہمیں گفتم مبادا یک تن ازیں خوانداراں سر برآرد و سخنے ناہموار گوید و امیر المومنین علی بر نجد و نیذیرائی بیعت نشود ناگاہ ہے کہ ہیچکس بجائے نماند الا آنکہ بہ تمام رضا و رغبت بیعت کرد انتہی۔

دیکھئے وہ زمانہ کیسا تھا مصر کوفہ اور بصرہ وغیرہ بلاد کے مختلف خیالات کے لوگ جمع تھے
اور اہل بصرہ چاہتے تھے کہ طلحہ رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنائیں اور اہل کوفہ کی رغبت زبیر رضی اللہ عنہ
کی طرف تھی اور طرز کارروائی سے بڑا معلوم ہوتا تھا کہ ان حضرات کو بھی کسی قدر خیال تھا
اور اہل بصرہ کی آمد و شد جو ابتدا سے آپکے یہاں تھی بعضے کوتاہ اندیشوں کو اس طرف توجہ
دلاتی تھی کہ محرک اور باعث قتل معاذ اللہ آپ ہی ہیں جس سے عام جوش پھیلا ہوا تھا ایسے
موقعہ میں ظن غالب بلکہ یقین یہی تھا کہ ہزارہا مسلمان آپ کی مخالفت پر آمادہ ہو جائینگے
غرضکہ آپنے یہ ضرور خیال فرمایا تھا کہ اتنے مخالفین میں سے کوئی ایک تو ضرور ہی مخالفت کریگا
اسلئے شرط لگادی کہ اس مجمع عام میں سے کسی ایک نے بھی مخالفت کی تو پھر قبول خلافت پر میں
ہرگز مجبور نہ ہوسکونگا۔ اب غور کیجئے کہ جب اتنی طرح سے ٹالنے کے بعد بھی خلافت گلے
پڑی ہوگی تو کس قدر آپ تنگدل ہوئے ہونگے۔ کیا ایسے صریح صریح قرائن کے بعد بھی خیال
ہوسکتا کہ آپ طالب خلافت تھے۔ اصل وجہ اسکی یہ تھی جو خود آپنے ایک خطبہ میں علی
رؤس الاشہاد بیان فرمایا جو ناسخ التواریخ صفحہ (۲۱) کی جلد بستم میں نقل کیا ہے الا ان
اللہ عالم من فوق سمائه وعرشه انی کنت کارها للولایة علی امة محمد
صلی اللہ علیه وسلم حتی اجتمع رأیکم علی ذلک لانی سمعت رسول اللہ
صلی اللہ علیه وسلم یقول ایما وال ولی الامر من بعدی اقیم علی حد
الصراط ونشرت الملائکة صحیفته فان کان عادلا انجاه اللہ بعدله
وان کان جائرا انتقض به الصراط تزائل مفاصله ثم یهوی الی
النار فیکون اول ما یلقیه به النار انفه وحر وجهه ولکنی لما اجتمع
رأیکم لم یسعنی ترککم یعنی خدا تعالی خوب جانتا ہے کہ میں اس بات کو کردہ سمجھتا تھا

کراہیت از ولایت

خوف امامت

بعذاب آخرت

کہ امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر حکومت کروں اسلئے کہ خود میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے
سنا ہے کہ فرماتے تھے جو شخص میرے بعد حاکم ہوگا قیامت کے روز پل صراط پر کھڑا کیا جائے گا۔
اور فرشتے اوسکا نامہ اعمال کھولینگے۔ اور حساب شروع ہوگا۔ پھر اگر اوسکا عادل ہونا ثابت
ہوگیا تو خدا تعالیٰ اوسکو نجات دیگا۔ اور اگر ظالم ثابت ہو تو دوزخ میں گریگا۔ جس سے
جوڑ بند اوسکے جدا جدا ہو جائینگے۔ اور آگ پہلے اوسکی ناک اور منہ کو جلائیگی غرضکہ اس
حدیث کے لحاظ سے میں خلافت کو نہایت مکروہ سمجھتا تھا مگر جب تم سب نے اتفاق کرکے
مجھی کو خلیفہ بنانا چاہا تو میں مجبور ہوگیا اور تم سے علیحدہ ہونا مجھ سے نہ ہوسکا۔ انتہیٰ۔
اور نہج البلاغۃ میں آپکا قول نقل کیا ہے واللہ ما کانت لی فی الخلافۃ
رغبۃ ولا فی الولایۃ اربۃ ولکنکم دعوتمونی الیھا وحملتمونی علیھا یعنے
خدا کی قسم مجھے خلافت کی بالکل رغبت نہ تھی۔ اور نہ حکومت سے کوئی غرض تھی۔ لیکن تم
لوگوں نے مجھے اوسکی طرف بلایا اور زبردستی مقرر کیا انتہیٰ۔

بے رغبتی خلافت

یہ بے رغبتی اسی وجہ سے تھی کہ خلافت کی ذمہ داریاں نہایت سخت ہیں جسکا حال روایت
سابقہ میں آپنے بیان فرمایا۔ غرضکہ خلافت کرنا آپ کو منظور نہ تھا اور یہ بھی نہیں ہوسکتا تھا
کہ سب مسلمان جس بات پر اتفاق کریں اوسکی مخالفت کریں اسلئے یہ خیال کیا کہ کل مسلمان
اپنی خلافت پر ہرگز اتفاق نہ کرینگے جیسا کہ ابھی معلوم ہوا کہ خود آپنے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
کی پیشین گوئی کی خبر دی ہے کہ لوگ آپکو خلیفہ نہ بنائینگے۔ اس پیشین گوئی کے بھروسہ آپنے
یہ شرط لگادی کہ جب تک سب اتفاق نہ کرینگے میں بیعت خلافت نہ لونگا مقصود یہ کہ
نہ سب اتفاق کرینگے نہ بیعت لینے کی نوبت آئیگی۔ مگر مشیت ایزدی میں تو ٹھیرا ہوا تھا کہ
کہ آپ خاتم الخلفا ہوں اسوجہ سے اوسوقت کسی نے خلاف ہی نہ کیا اوسکے بعد پیشین گوئی کا

ظہور رہوا چنانچہ نتیجتاً آدھی امت آپکی امارت پر راضی نہوئی اور آخرتک خلافت ہی کا جھگڑا رہا جس سے مقصود خلافت جو اشاعت اسلام تھا حاصل نہوسکا۔ اس موقع میں آپنے ترک کرنا بھی مناسب نہیں سمجھا اسلئے کہ وہ عبادت تھی اور عبادت شروع کرنے پر لازم ہوجاتی ہے۔

غرضکہ آپنے جبراً خلافت کو قبول کیا جس سے مقصود مسلمانوں کی خوشنودی تھی جسمیں خدا و رسول کی خوشنودی متصور ہے کما قیل ؎

طریقت بجز خدمت خلق نیست		بہ تسبیح و سجادہ و دلق نیست	

اب کہئے کہ خلافت کی رغبت اور شکایت خلفاء ثلثہ کی روایتیں جو آپکی طرف منسوب کیجاتی ہیں کیا ان روایتوں کے مقابلہ میں وہ صحیح ہوسکتی ہیں؟ ہرگز نہیں۔ ورنہ لازم آئیگا کہ آپنے نعوذ باللہ جھوٹی قسمیں کھا کھا کر ضرورت کے وقت اپنی بے رغبتی بیان فرمائی۔

آپ جانتے تھے کہ خلافت میں علاوہ جوابدہی اخروی کے دنیا میں بڑے بڑے مصائب پیش آنیوالے ہیں اسکی تصدیق ہم احادیث سے کئے دیتے ہیں جن سے ظاہر ہے کہ کل پیش آنیوالے واقعات کی اطلاع آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آپکو دیدی تھی۔ ان احادیث کو دیکھنے کے بعد کوئی منصف مزاج انکار نہیں کرسکتا کہ باوجود ان پیش آنیوالے مصائب پر مطلع ہونیکے آپ نے خلافت کو جو قبول کیا وہ بعینہ ایسا تھا جیسے فقر و فاقہ کو اختیار کیا یعنے بجز رضا جوئی خدا و رسول کے اُس سے اور کوئی مقصود نہ تھا۔ اور یہ جو خیال کیا جاتا ہے کہ اوروں نے ظلم کرکے آپ کی خلافت چھینی ان احادیث وغیرہ امور مذکورہ سے ثابت ہے کہ آپ کے نزدیک وہ ظلم نہ تھا بلکہ زبردستی خلافت جو گلے ڈالی گئی وہ ظلم تھا۔

نسائی رح نے خصائص علی کرم اللہ وجہہ میں بسند متصل روایت کی ہے کہ کلیب جرمی کہتے ہیں کہ میں علیؓ کے پاس بیٹھا تھا کہ ایک مسافر آیا اور کہا کہ اگر آپ اجازت دیں تو میں

کچھ کہنا چاہتا ہوں چونکہ آپ لوگوں سے باتیں کر رہے تھے اس لئے اوسکی طرف توجہ نہ کی وہ کسی کے پاس بیٹھ گیا اور یہ واقعہ بیان کیا کہ میں عمرہ کے لئے گیا تھا۔ جب عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوا تو اونھوں نے مجھ سے پوچھا کیا تمھاری طرف کوئی قوم ہے جس کا نام حروریہ ہے اور اونکو حروریہ کیوں کہتے ہیں۔ میں نے عرض کی ایک مقام ہے جس کا نام حرورہ ہے۔ وہاں کے لوگوں کو حروریہ کہتے ہیں فرمایا اوس شخص کو خوشخبری ہے جو کہ اونکو ہلاک کرے اگر ابن ابی طالب چاہیں تو اونکی خبر دیسکتے ہیں۔ اسلئے میں اونکا حال دریافت کرنے کو آیا ہوں۔ جب حضرت علی کرم اللہ وجہہ فارغ ہوئے تو پوچھا اجازت چاہنے والا کہاں ہے وہ شخص پیش ہوا اور یہ واقعہ بیان کیا آپنے فرمایا کہ ایک روز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر تھا اوسوقت سوائے ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا کے کوئی نہ تھا حضرت نے مجھ سے فرمایا اے علی! تمھارا کیا حال ہوگا جب فلاں قوم کے ساتھ مقابلہ ہوگا۔ میں نے عرض کی خدا و رسول دانا تر ہیں پھر مشرق کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ ایک قوم ادھر نکلیگی وہ لوگ قرآن پڑھیں گے مگر اونکے حلق کے نیچے نہ اوتریگا دین سے وہ ایسے نکل جائیں گے جیسے تیر شکار سے نکل جاتا ہے اون میں ایک شخص ہوگا جس کا ہاتھ ناقص ہے اور اوس پر مثل سر پستان یا رہ گوشت ہوگا۔ پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے لوگوں کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا میں تمھیں قسم دیکر پوچھتا ہوں کیا میں نے تمھیں اوسکی خبر نہیں دی تھی لوگوں نے کہا بیشک آپنے خبر دی تھی فرمایا پھر تم نے مجھے خبر دی کہ وہ اون میں نہیں ہے اور میں قسم کھا کر کہتا تھا۔ کہ وہ اون لوگوں میں ضرور ہے اوسکے بعد تم لوگ اوسے کھینچتے ہوئے مجھ تک لے آئے اور وہ ویسا ہی تھا جس طرح میں نے کہا تھا لوگوں نے کہا درست ہے فرمایا خدا اور اوسکے رسول نے سچ کہا تھا انتہی

اس مضمون کی اور روایتیں بھی امام نسائی نے مختلف اسنادوں سے لکھی ہیں اور دوسری کتابوں میں بھی مذکور ہے جن کا ماحصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خوارج کے واقعہ کا تفصیلی حال بیان فرما دیا تھا کہ فلاں قسم کے لوگ ہونگے اور فلاں مقام میں یہ واقعہ پیش آئیگا اور اوس کا انجام یہ ہوگا۔

جنگ جمل

اسی طرح حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے جنگ کی خبر بھی دی تھی چنانچہ کنز العمال کی کتاب الفتن میں متعدد روایتیں ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے علی کرم اللہ وجہہ سے فرمایا کہ تم میں اور عائشہ رضی اللہ عنہا میں ایک واقعہ پیش آئیگا۔ علی رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ کیا وہ واقعہ میری شقاوت کا باعث ہوگا فرمایا نہیں لیکن اوس وقت اونکو اونکی امن کی جگہ واپس کردو۔ ایک روز آپنے ازواج مطہرات سے فرمایا تم میں وہ کون عورت ہے جو اونٹ پر سوار ہوگی اور اوسکو دیکھ کر حواب کے کتے بھوکیں گے اور اوسکے اطراف بہت سے لوگ مارے جائینگے جب عائشہ رضی اللہ عنہا کا اونٹ حواب پر پہونچا اور وہانکے کُتّے بھونکنے لگے تو آپنے پوچھا کہ اس مقام کا کیا نام ہے لوگوں نے کہا حواب فرمایا میں یہاں سے لوٹ جاتی ہوں اسلئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کیا حال ہوگا اوس عورت کا جسکو دیکھ کر حواب کے کُتّے بھونکیں گے لوگوں نے کہا آپ تو اصلاح کے لئے تشریف لائی ہیں۔ انتہیٰ۔

چونکہ مشیت ایزدی میں اس جنگ کا واقع ہونا مقرر تھا اسلئے آپ واپس نہ ہوسکیں اور سخت لڑائی ہوئی جسمیں بہت سے لوگ مارے گئے اور حضرت کی پیشین گوئی پوری ہوئی۔

ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ذکر فرمایا کہ بعض امہات المومنین خروج کرینگی۔ عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ سُنکر ہنس دیں

حضرت نے فرمایا دیکھو اے حمیرا! کہیں وہ تم ہی نہوں پھر علی رضی اللہ عنہ کی طرف مڑکر فرمایا
کہ اگر تم سے اونکا کام متعلق ہوجائے تو اونکے ساتھ نرمی کرنا حاکم نے اس روایت کو ذکر
کرکے کہا ہے کہ صحیح علی شرط الشیخین۔

اس لڑائی میں زبیر رضی اللہ عنہ بھی عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہمراہ تھے۔ اسکی بھی خبر
حضرت نے پہلے ہی دی تھی۔ چنانچہ کنز العمال کی کتاب الفتن میں ہے کہ جب علی کرم اللہ وجہہ
اور عائشہ رضی اللہ عنہا کے لشکر کی صف آرائیاں ہوئیں اور دونوں لشکر قریب ہوگئے
علیؑ نے آگے بڑھکر باواز بلند زبیر ابن العوام کو پکارا جب وہ روبرو آئے تو فرمایا میں
تمھیں قسم دیتا ہوں کیا تم اوس روز کا واقعہ بھول گئے کہ فلاں مقام میں تم ہم دوستانہ
گفتگو کر رہے تھے اتنے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور تم سے پوچھا کیا تم
علی کو دوست رکھتے ہو تم نے کہا وہ تو میری خالہ اور پھوپی کے بیٹے اور میرے دین پر ہیں
کیونکر ہوسکے کہ اون سے محبت نہ رکھوں پھر مجھ سے فرمایا کیا تم اونکو دوست رکھتے ہو میں نے
عرض کی کہ وہ میرے پھوپی کے بیٹے اور میرے دین پر ہیں کیا میں اونکو دوست نرکھونگا
یہ سنکر فرمایا اے زبیر! واللہ تم اونسے جنگ کروگے اور تم ظالم ہوگے یہ سُنکر زبیر رضی اللہ عنہ
نے قسم کھاکر کہا بیشک یہ واقعہ صحیح ہے میں بھول گیا تھا اب ہرگز آپ سے نہ لڑونگا
چنانچہ وہ اوسی وقت جنگ سے علیحدہ ہوگئے۔ انتہیٰ۔

غرضکہ مشیت الٰہی میں اونکا اس جنگ میں شریک ہونا مقدر تھا اسلئے باوجود
حضرت کی خبر دینے کے بھول گئے اور حضرت عائشہؓ کا اس جنگ کیلئے نکلنا بھی اسی قسم
کا تھا چنانچہ کنز العمال کتاب الفتن میں ہے کہ عروہ رح نے عائشہؓ سے پوچھا کہ رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم سب سے زیادہ کس کو دوست رکھتے تھے فرمایا علی ابن ابی طالب کو

کہا پھر آپنے اون سے جنگ کیوں کی کہا تھارے باپ نے تھاری ماں کو کیوں نکاح کیا تھا؟ کہا تقدیر الہی تھی فرمایا بس یہ بھی تقدیر الہی تھی۔

خبردادن صلعم از معاویہ باغی

اسی طرح معاویہ رضی اللہ عنہ کا باغی ہونا بھی علی کرم اللہ وجہہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سُن چکے تھے بلکہ اکثر صحابہ جانتے تھے کہ عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سے حضرت نے فرمایا تھا کہ باغی جماعت تمھیں قتل کریگی چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ وہ علی کرم اللہ وجہہ کے لشکر میں تھے اور معاویہ رضی اللہ عنہ کے لشکریوں کے ہاتھ سے شہید ہوئے الغرض جتنے واقعات ہونیوالے تھے حضرت نے عام طور پر صحابہ کے روبرو بیان فرمادئیے تھے۔ چنانچہ کنز العمال کی کتاب الفتن میں حذیفہ رضی اللہ عنہ سے اس باب میں بکثرت روایتیں مذکور ہیں۔ یہانتک کہ

ہر فتنہ کی پیشینگوئی

وہ فرماتے ہیں کہ جتنے فتنے قیامت تک ہونیوالے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمادئیے تھے۔ اگر میں چاہوں تو جتنے فتنہ پرداز قیامت تک ہونگے جنکی ماتحتی میں تین سو یا اس سے زیادہ شخصوں کی تعداد ہوا ونکے نام مع ولدیت اور مقام تک بیان کرسکتا ہوں۔ اور فرمایا سب سے پہلا فتنہ عثمان رضی اللہ عنہ کا قتل ہے اور آخری فتنہ خروج دجال۔ جب حذیفہؓ اس تفصیل سے آئندہ آنیوالے واقعات جانتے تھے تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ تو بطریق اولی جانتے ہونگے۔ کیونکہ کنز العمال کی متعدد روایتوں سے ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آپکی نسبت اعلمھم علما فرمایا ہے یہی وجہ ہے کہ آپ برسر منبر فرمایا کرتے کہ جو چاہو مجھ سے پوچھ لو میں جواب دیسکتا ہوں۔ اور حدیث انا مدینۃ العلم وعلی بابھا جو مشہور ہے اسی پر ناطق ہے۔ کیوں نہو جو خصوصیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آپ کو تھی وہ کسی کو نہ تھی چنانچہ امام نسائی نے کتاب خصائص علیؓ میں روایت کی ہے کہ علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ ہر رات

سحر کے وقت میں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتا اگر حضرت نماز میں ہوتے
تو سبحان اللہ فرمادیتے جس سے میں اذن سمجھ لیتا ورنہ طلب فرمالیتے۔ چونکہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ
امام الاولیاء ہیں جیسا کہ ابونعیم رح نے حلیۃ الاولیاء میں یہ حدیث نقل کی ہے کہ آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حق تعالی نے علی کو امام الاولیاء مقرر فرمایا ہے انتہی۔ اسی وجہ سے
تقریباً کل سلاسل اولیاء اللہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے واسطہ سے حضرت تک پہونچتے ہیں
اس لئے ضرور تھا کہ تعلیم روحانی خاص طور پر آپکو ہوتی چونکہ خلافت کبری کے لوازم بھی اسی سے
متعلق ہیں اس لئے وقت خاص میں اوسکا حال بھی آپکو ضرور معلوم کرایا گیا ہوگا۔ بہرحال
یہ امر کئی قرینوں سے ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو اون وقائع کی
خبر ضرور دی تھی جو آپکے زمانہ میں پیش آنیوالے تھے۔ یہانتک کہ خود آپ کی شہادت کی
خبر بھی آپکو تھی۔ چنانچہ ابوسنان کہتے ہیں کہ ایک بار علیؓ سخت بیمار ہوئے میں عیادت کو گیا
اور آپکی خطرناک حالت دیکھ کر کہا اے امیر المومنین! اس بیماری سے مجھے خوف آتا ہے۔
فرمایا خدا کی قسم مجھے کچھ خوف نہیں اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو صادق و مصدق
تھے آپنے مجھ سے فرمایا کہ تمھیں ایک زخم یہاں لگے گا اور ایک زخم یہاں اور دونوں
کنپٹیوں کی طرف اشارہ کرکے فرمایا کہ اون کے خون سے داڑھی رنگین ہوجائیگی اس
روایت کو حاکم نے ذکر کرکے کہا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے۔ اور اپنے قاتل کو بھی آپ بخوبی
جانتے تھے چنانچہ استیعاب میں لکھا ہے کہ علی کرم اللہ وجہہ کے پاس عبدالرحمن بن ملجم شقی
ایک روز آکر سواری طلب کیا۔ آپنے سواری دیکر یہ شعر پڑھا ؎ ارید حیاته
و یرید قتلی الخ یعنے میں تو اوسکی حیات چاہتا ہوں اور وہ میرے قتل کا ارادہ
رکھتا ہے اوسکے بعد فرمایا کہ یہی میرا قاتل ہے کسی نے کہا پھر آپ اسکو قتل کیوں نہیں کرڈالتے

آپنے فرمایا اسلئے کہ وہ ہنوز مرتکب قتل نہیں ہوا۔

ناسخ التواریخ صفحہ ۹۸ میں لکھا ہے کہ امیر المومنین علیہ السلام نے خبر دی و لقد استودعت علم القرون الاولی وما ھو کائن الی یوم القیامۃ یعنے قیامت تک جو کچھ ہونیوالا ہے اوس کا علم مجھ میں ودیعت رکھا گیا ہے اس سے تو صاف ظاہر ہے کہ خلفائے ثلاثہ کی خلافت کا علم آپ میں پہلے سے ودیعت رکھا گیا تھا۔

غرضکہ جب ہر ایک پیش آنیوالے واقعہ کا حال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ سے فرمادیا تو ممکن نہیں کہ مسئلہ خلافت جو اہم اور ضروری تھا اوسکو آپ نے نہ فرمایا ہو حالانکہ خلفائے ثلثہ کی خلافت کی خبر بارہا عام جلسوں میں آپنے دی ہے۔ چنانچہ یہاں چند روایتیں لکھی جاتی ہیں جن سے ظاہر ہوگا کہ خلفائے ثلثہ کی خلافت مشیت ایزدی میں مقرر ہو چکی تھی اور مختلف طریقوں سے حضرت نے بطور پیشین گوئی فرمادیا اور اونکی مدح وثنا بھی کی۔

مشکوٰۃ شریف میں مسند امام احمد۔ ترمذی اور ابوداؤد سے منقول ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خلافت نبوت تیس سال رہے گی انتہی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے دو سال۔ عمرؓ کے دس سال عثمانؓ کے بارہ سال اور علی اور امام حسن علیہما السلام کے چھ سال۔

ازالۃ الخفا میں بخاری سے منقول ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میں نے خواب دیکھا ہے کہ میں ایک کنوئیں پر ہوں اور اوس پر ایک ڈول رکھا ہے جس قدر خدائے تعالی کو منظور تھا میں نے پانی کھینچا پھر اوسکو ابوبکرؓ نے لیا اور ایک دو ڈول کھینچے مگر اونکے کھینچنے میں کسی قدر ضعف تھا پھر عمرؓ نے اوسکو لیا اونکے ہاتھ میں

وہ موٹ بن گیا اور خوب سا پانی کھینچکر لوگوں کو سیراب کیا انتہی۔ کتب سیر و تواریخ سے
ظاہر ہے کہ اس خواب کا پورا پورا ظہور ہوا۔

مستدرک حاکم میں یہ حدیث ہے کہ ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح کی
نماز کے بعد صحابہ کے طرف متوجہ ہوکر فرمایا کہ کسی نے کوئی خواب دیکھا ہے؟ ایک شخص نے
عرض کیا کہ جی میں نے دیکھا ہے کہ گویا ایک ترازو آسمان سے اوتری ہے اور اوس کے
ایک پلہ میں آپ تشریف رکھتے ہیں اور دوسرے میں ابوبکرؓ آپ کا پلہ بھاری ہوگیا پھر
آپ اوٹھائے گئے اور ابوبکرؓ بیٹھے رہے پھر جس پلہ میں آپ تھے اوسمیں عمرؓ بٹھائے گئے۔
ابوبکرؓ کا پلہ بھاری ہوگیا پھر ابوبکرؓ اوٹھائے گئے اور اونکی جگہ عثمانؓ بٹھائے گئے۔ عمرؓ کا پلہ
بھاری ہوگیا پھر عمرؓ اوٹھائے گئے اور اونکے ساتھ وہ ترازو بھی اوٹھالیگئی۔ یہ سُن کر
آنحضرتؐ کا چہرہ مبارک متغیر ہوگیا۔

ترازو کا اوٹھ جانا یہ تبلا رہا ہے کہ مسلمانوں میں جو اعتدالی حالت تھی حضرت علی کرم اللہ وجہہ
کی خلافت میں نہ رہے گی اور افراط و تفریط شروع ہوجائیگی۔

ازالۃ الخفاء میں ابوداؤد سے منقول ہے کہ ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے
فرمایا کہ آجکی رات ایک مرد صالح نے خواب دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ابوبکرؓ
پکڑے ہوئے ہیں اور اونکے ساتھ عمرؓ اور اونکے ساتھ عثمانؓ متعلق ہیں صحابہؓ نے تعبیر دی
کہ یہ حضرات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اولوالامر ہونگے انتہی۔

مستدرک حاکم میں یہ روایت ہے کہ انس بن مالکؓ کو بنی المصطلق نے آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں یہ دریافت کرنیکے لئے بھیجا کہ آپکے بعد ہم صدقات کس کو
دیں؟ فرمایا ابوبکرؓ کو پھر اونھوں پچھوایا اونکے بعد؟ فرمایا عمرؓ کو۔ پھر پچھوایا اونکے بعد؟

فرمایا عثمانؓ کو پھر پوچھا یا اونکے بعد کسکو دیں؟ فرمایا اونکے بعد تمھاری ہلاکی ہے۔ چونکہ آئندہ کے واقعات کا کشف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تھا کہ ایک جماعت کثیر ضرور معاویہؓ کی طرف ہوجائیگی اس لئے آپنے تعیین خلیفہ کو مناسب نہیں سمجھا۔

ازالۃ الخفا میں سنن ابوداؤد سے منقول ہے کہ ایک شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ میں نے خواب دیکھا ہے کہ گویا ایک ڈول آسمان سے اترا ابوبکرؓ نے اوسکے دونوں لکڑیوں کو جو اوسکے منہ پر لگی ہوئی تھیں پکڑ کر تھوڑا سا پانی پیا پھر عمرؓ آئے اونھوں نے خوب سیر ہوکر پیا۔ پھر عثمانؓ آئے اونھوں نے بھی سیری سے پیا۔ پھر علیؓ آئے جب اونھوں نے اون لکڑیوں کو پکڑا تو وہ کھل گئیں۔ اور کسیقدر پانی اوسمیں سے گر پڑا۔ انتہی۔ یہ اشارہ ہے کہ تمام مسلمان آپکے قبضہ میں نہ آئینگے۔

ازالۃ الخفا میں صحیح بخاری سے منقول ہے کہ ایک عورت حضرت کی خدمت میں آئی آپنے فرمایا پھر کبھی آنا اوس نے کہا اگر آپ کو نہ پاؤں یعنے آپ کا انتقال ہوجائے تو کس کے پاس جاؤں فرمایا ابوبکرؓ کے پاس انتہی۔ اس سے تعیین خلیفہ مقصود نہ تھا بلکہ یہ معلوم کرانا منظور تھا کہ ابوبکرؓ پہلے خلیفہ ہونگے۔

ازالۃ الخفا میں مستدرک حاکم سے نقل کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قریب میں ایک فتنہ اور اختلاف پیدا ہونیوالا ہے۔ صحابہؓ نے عرض کیا۔ پھر ہمیں کیا ارشاد ہوتا ہے؟ فرمایا امیر اور اوسکے اصحاب کی رفاقت نہ چھوڑو یہ کہکر عثمانؓ کی طرف اشارہ فرمایا جسکا مطلب یہ کہ اوسوقت عثمانؓ امیر ہونگے انتہی۔ اس سے ثابت ہے کہ عثمانؓ کی خلافت میں جو نکتہ چینیاں کی گئیں وہ اونکی معزولی کا باعث نہیں ہوسکتیں۔

ازالۃ الخفا میں مستدرک حاکم اور جامع ترمذی سے منقول ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

نے عثمانؓ سے فرمایا امید ہے کہ حق تعالیٰ تمھیں ایک قمیص پہنائیگا جسکو لوگ اوتار لینا چاہینگے مگر تم اوسکو ہرگز اوتارنے نہ دینا انتہیٰ۔ اسی وجہ سے عثمانؓ نے عزل کو قبول نہیں کیا۔

عائشہؓ فرماتی ہیں کہ جب مسجد کی بنیاد ڈالی گئی تو سب سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پتھر اوٹھایا پھر ابوبکرؓ نے پھر عمرؓ نے پھر عثمانؓ نے یکے بعد دیگرے پتھر اوٹھا کر پایہ میں لگاتے گئے۔ میں نے عرض کی یارسول اللہ! آپ ملاحظہ فرماتے ہیں کہ یہ لوگ کیسی مدد آپکی کر رہے ہیں فرمایا اے عائشہ یہی لوگ میرے بعد خلفاء ہونگے۔ حاکم نے مستدرک میں اس روایت کو ذکر کرکے لکھا ہے کہ یہ حدیث صحیح علی شرط الشیخین ہے۔

عائشہؓ سے روایت ہے کہ ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے اصحاب سے ایک شخص کو بلاؤ میں نے عرض کی کیا ابوبکرؓ کو بلائیں؟ فرمایا نہیں۔ پھر عرض کی عمرؓ کو بلائیں؟ فرمایا نہیں۔ پھر عرض کی کیا آپکے عمزاد بھائی علیؓ کو فرمایا نہیں۔ پھر عرض کی کیا عثمانؓ کو بلائیں؟ فرمایا ہاں۔ جب وہ حاضر ہوئے تو مجھے ارشاد ہوا کہ تم اوٹھ جاؤ میں ایک طرف ہوگئی اور حضرت اون سے آہستہ آہستہ کچھ فرمانے لگے۔ میں یہ دیکھ رہی تھی کہ عثمانؓ کا چہرہ متغیر ہو رہا تھا۔ ابوسہلہ جو عثمانؓ کے غلام ہیں کہتے ہیں کہ جب عثمانؓ گھر میں محبوس کئے گئے تو ہم نے کہا کیا ان لوگوں سے ہم مقابلہ نہ کریں؟ فرمایا نہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے ایک عہد لیا تھا جسکے مطابق اب میں صبر کرتا ہوں حاکم نے مستدرک میں یہ روایت ذکر کرکے لکھا ہے کہ یہ حدیث صحیح الاسناد ہے۔ غرضکہ خلفائے ثلثہؓ کی خلافت کا حال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات اور مختلف ذرائع سے صحابہؓ کو بخوبی معلوم ہوگیا تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی رضامندی بھی ظاہر فرمادی تھی۔ اور صدیق اکبرؓ کو نماز میں امام اور اپنا قائم مقام بنا کر صحابہؓ

پر یہ بات ظاہر فرمادی کہ حضرت کے بعد انہی میں مقتدا ہونے کی صلاحیت سب سے زیادہ ہے۔

اب یہاں یہ دیکھنا چاہیئے کہ باوجودیکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جانتے تھے کہ ابوبکرؓ خلیفہ ہونگے مگر خاص طور پر یہ حکم نہیں دیا کہ وہ اپنے بعد خلیفہ بنائے جائیں اسکی کیا وجہ ہے؟ بات یہ ہے کہ جس چیز کا ظہور خود بخود ہونیوالا ہوا ور سب اوسکو مان لیں اوس میں جو لطف اور عمدگی ہوتی ہے وہ جبری کارروائی میں نہیں ہوتی۔

ازالۃ الخفاء میں مستدرک حاکم سے منقول ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک روز فرمایا کہ دوات اور شانہ کی ہڈی لاؤ تو میں تمھیں ایسی بات لکھدوں کہ اوسکے بعد تم پھر کبھی گمراہ نہوں یہ کہکر آپنے منہ پھیر لیا پھر صحابہ کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ سوائے ابوبکرؓ کے دوسرے کو نہ خدا قبول کریگا نہ اہل ایمان انتہی۔ اوس زمانہ میں اکثر شانہ کی ہڈیوں پر بجائے کاغذ کے لکھا کرتے تھے۔ استخوان شانہ منگوانے سے مقصود وصیت نامہ لکھنا تھا مگر جب دیکھا یہ کہ صدیق اکبرؓ کی خلافت کا معاملہ تقدیر ازلی میں طے شدہ ہے اس لئے اوسکے لکھنے کو بے ضرورت سمجھا۔

حدیث قرطاس پر جو افسوس ہوا کرتا ہے کہ عمرؓ نے کاغذ لانے سے روکدیا اگر کاغذ لایا جاتا تو معلوم نہیں حضرت کیا وصیت فرماتے سو اس حدیث سے معلوم ہو گیا کہ یہی تحریر فرماتے کہ صدیق اکبرؓ خلیفہ بنائے جائیں بعض صحابہ جو حضرت کے مزاج داں تھے تعمیل نہ کرسکے اس سبب سے کہ ایسی نازک حالت اور شدت مرض میں حضرت کو اس کی تکلیف دینے کی کیا ضرورت ہے؟

ازالۃ الخفاء میں مستدرک حاکم سے منقول ہے کہ صحابہؓ نے عرض کیا کیا اچھی بات ہوتی کہ آپ کسی کو اپنا خلیفہ مقرر فرمادیتے۔ فرمایا اگر میں کسی کو خلیفہ مقرر کرتا اور تم لوگ اوسکی

نافرمانی کرتے تو تم پر عذاب نازل ہوتا لوگوں نے عرض کیا کہ علیؓ کو آپ خلیفہ مقرر فرمائیں
تو بہتر ہے فرمایا تم لوگ اونکو مقرر نہ کروگے اور اگر کروگے تو اونکو ہادی و مہدی پاؤگے
جو تم کو سیدھی راہ پر لے چلے انتہی۔ یہ پیشین گوئی تھی جس کا ظہور یوں ہوا کہ علیؓ کی خلافت
میں ایسے جھگڑے پڑگئے کہ آپ کو ہدایت اور اشاعت اسلام کیطرف توجہ کرنیکی نوبت نہ آئی

بظاہر خیال ہوتا ہے کہ حضرت علیؓ اہل بیت نبوی میں ہونے کی وجہ سے ابتدا سے
انتہا تک آپ ہی کی خلافت ہوتی اور تیس برس جو مدت خلافت تھی جس کا اختتام آپکے
وفات کے ساتھ ہوگیا تو اوس پوری مدت میں آپ ہی ایک خلیفہ رہتے مگر آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ منظور تھا کہ آپ خاتم الخلفاء ہوں جیسا کہ احادیث مذکورۂ سے ظاہر ہے
تاریخ الخلفاء میں مستدرک حاکم سے منقول ہے کہ علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاءِ
الراشدین المہدیین من بعدی اس سے ظاہر ہے کہ خلفاء راشدین یہ
چاروں حضرات ہیں اس لئے کہ لفظ خلفاء جمع ہے اور جمع کے لئے کم سے کم تین افراد چاہئیں
انہی اسباب سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے بھی ان حضرات کی خلافت راشدہ کو تسلیم
کرلیا تھا۔ کیونکہ آپ جانتے تھے کہ یہ خلافت نبوت ہے اسمیں خاندان اور استحقاق
جو سلاطین میں دیکھا جاتا ہے کافی نہیں۔ چنانچہ جس حدیث میں الخلافۃ ثلاثون سنۃ ہے
اوسی میں ثم بعد ذلک ملک بھی ہے۔ کیونکہ حضرت نے خبر دی تھی کہ تیس۳۰ سال کی
خلافت راشدہ کے بعد سلطنت ہوجائیگی سو اوسکا ظہور ضروری تھا اور اوسکی ابتدا یوں
ہوئی کہ عثمانؓ شہید کئے گئے آپ بنو امیہ میں ہونے کی وجہ سے آپ کی خلافت میں اس
قبیلہ کے لوگوں کو ترقی ہوئی خصوصاً معاویہؓ تو پہلے ہی سے شام کی حکومت پر مامور تھے
انھوں نے یہ خیال کیا کہ علیؓ نے بغرض خلافت عثمانؓ کو شہید کرایا اور قاتلوں کو دینے

میں بھی آپنے تامل فرمایا اسوجہ سے اور بھی یہ خیال مستحکم ہوگیا اور سلطنت شام آپکے مقابلہ پر آمادہ ہوگئی۔ اور یہیں سے ملک وسلطنت کی بنیاد پڑی چنانچہ خود معاویہؓ کا قول ہے کہ میں پہلا بادشاہ ہوں جیساکہ استیعاب میں اونکا قول نقل کیا ہے کہ انا اول الملوک

خصائص کبریٰ میں بیہقی سے منقول ہے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ خلافت نبوت تیس ۳۰ سال رہے گی اوس کے بعد خدا تعالیٰ جسکو چاہیگا ملک دیگا معاویہؓ کو جب یہ حدیث پہونچی تو کہا کہ ہم ملک ہی پر راضی ہیں۔ غرضکہ حسب پیشین گوئی نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدت خلافت راشدہ ختم ہوئی اور سلطنت کے آثار نمایاں ہوئے چنانچہ معاویہؓ نے اپنے لڑکے کو اپنا ولی عہد مقرر کیا جیسے سلاطین کا دستور ہے۔

تاریخ الخلفاء وغیرہ میں لکھا ہے کہ معاویہؓ نے یزید کے ولیعہد ہونے پر اہل شام سے بیعت لی۔ اوس کے بعد مروان کو لکھا کہ مدینہ والوں سے بھی بیعت لیجائے چنانچہ مروان نے خطبہ پڑھا کہ امیر المومنین نے مناسب سمجھا ہے کہ جس طرح ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما نے خلیفہ بنایا وہ بھی اپنے بیٹے یزید کو خلیفہ بنائیں تاکہ ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کی سنت پر عمل ہو عبدالرحمن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ یہ سُن کر کھڑے ہوگئے اور کہا کہ یہ قیصر وکسریٰ کی سنت ہے۔ ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما نے نہ اپنی اولاد کو خلیفہ بنایا نہ اپنے اہل بیت میں سے کسی کو پھر معاویہؓ نے ابن عمر رضی اللہ عنہ کو بلاکر کہا کہ اے ابن عمر! آپ نے کہا تھا کہ میں ایک ایسی رات گذرنا پسند نہیں کرتا جسمیں مجھ پر کوئی امیر نہو اس لئے اب آپ یزید کی خلافت کے بارہ میں اختلاف کرکے مسلمانوں میں تفرقہ نہ ڈالئے۔ اونھوں نے خطبہ پڑھا کہ تمھارے پہلے جو خلفاء گذرے ہیں اونکے بھی فرزند تھے باوجود اسکے

اونھوں نے اپنے فرزند کو خلیفہ نہیں بنایا بلکہ بہتر اور اہل خیر کو اس خدمت کیلئے منتخب کرتے رہے تمھارا لڑکا اونکے فرزندوں سے بہتر نہیں ہے یہی تفرقہ اندازی سو میں بھی ایک مسلمان ہوں جسکی نسبت سب کا اتفاق ہو جائیگا میں بھی اوسکا تابع ہو جاؤنگا۔

تاریخ الخلفاء میں مصنف ابن ابی شیبہ سے منقول ہے کہ سعید بن جمہان نے سفینہؓ سے کہا کہ بنی امیہ کہتے ہیں کہ اب خلافت ہم میں ہے کہا زرقا کی اولاد جھوٹی ہے وہ خلیفہ نہیں بلکہ بادشاہ ہیں اور بادشاہ بھی کیسے؟ سخت اور پہلے بادشاہ معاویہؓ ہیں۔

غرضکہ قرابت کی وجہ سے ولیعہد اور جانشین ہونا سلطنت کا لازمہ ہے خلافت نبوت میں قرابت سے کوئی تعلق نہیں اسی وجہ سے علی کرم اللہ وجہہ نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کو لائق خلافت تسلیم کرکے اونکے ہاتھ پر بیعت کی۔ چنانچہ ابن عبدالبر نے استیعاب میں لکھا ہے کہ جب ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر لوگوں نے بیعت کی تو ابوسفیانؓ علی کرم اللہ وجہہ کے پاس آئے اور کہا کہ قبیلہ قریش کا ایک چھوٹا گھر تم پر غالب آگیا خدا کی قسم اگر تم چاہتے ہو تو میں مدینہ کو سوار اور پیادوں سے بھر دوں۔ علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا تم ہمیشہ اسلام اور مسلمانوں کے دشمن رہے اور اوس سے اونکا کچھ ضرر نہوا ہم نے ابوبکرؓ کو خلافت کے اہل اور لائق سمجھا ہے اسلئے اونکے ہاتھ پر بیعت کی انتہی۔

دیکھئے ابوسفیانؓ نے عام قاعدہ کے مطابق علی کرم اللہ وجہہ کو دوستانہ رائے دی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جانشین آپکو ہونا چاہئے جو ہم خاندان ہیں اور اوس پر کمال ہمدردی ظاہر کرکے پوری مدد دینے کا وعدہ بھی کیا جس سے ظاہر ہے کہ اونکا یہ بیان زبانی نہ تھا جیسا کہ خیال کیا جاتا ہے ورنہ اسوقت کوئی ایسی تدبیر سوچتے کہ بنی امیہ کو خلافت مل جائے آخر عثمان غنی ذی النورین رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے

جن کو اسلام میں بہت سے اعزازی حقوق حاصل تھے مگر علی کرم اللہ وجہہ کو غصہ اس بات
پر آیا کہ باوجود اسلام لانیکے عام قاعدہ اور تعصب جاہلیت سے کیا تعلق اور ایسی
جھڑکی دی کہ پھر کبھی ایسی مشورت کا نام نہ لیں۔ اگر علیؑ کے دل میں ذرا بھی مخالفانہ خیال
ہوتا تو ابو سفیانؓ کو اس خیال سے کہ ع عدو شود سبب خیر گر خدا خواہد۔ اپنے مشورہ و
شریک کرتے اور ایک ایسی جماعت بنا لیتے جو مخالفت کے ساتھ شہرت پاتی۔ حالانکہ
کتب حدیث و تواریخ سے یہ ہرگز ثابت نہیں ہوسکتا کہ کوئی ایسی جماعت اوس زمانہ
میں قائم ہوئی تھی۔

ناسخ التواریخ میں (ص ۱۶۳) حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا نامہ موسومہ معاویہؓ نقل کیا ہے اوس میں
یہ عبارت موجود ہے وقد کان ابوك اتانی حین ولی الناس ابا بکر
فقال انت احق بعد محمد صلی اللہ علیہ وسلم لهذا الامر وانا زعیم
لك بذلك علی من خالف علیك ابسط یدك ابایعك فلم
افعل وانت تعلم ان اباك قد قال ذلك ارادة حتی کنت
انا الذی ابیت لقرب عهد الناس بالکفر مخافة الفرقة بین
اهل الاسلام یعنے جب ابو بکرؓ کو لوگوں نے والی اور خلیفہ بنا لیا تو تمھارے باپ
ابو سفیان میرے پاس آئے اور کہا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ زیادہ تر اس
امر کے مستحق ہوا اور میں ذمہ دار ہوتا ہوں کہ جو کوئی آپ کی مخالفت کریگا میں اوس کی
سرکوبی کرونگا آپ ہاتھ بڑھائیے پہلے میں آپکے ہاتھ پر بیعت کرتا ہوں۔ مگر میں نے اوسکو
قبول نہیں کیا تم جانتے ہو کہ تمھارے والد نے یہ بات کسی اور خیال سے نہیں کہی تھی بلکہ
جزم و ارادہ سے کہا تھا۔ مگر میں نے ہی اس سے انکار کیا اس وجہ سے کہ لوگوں کے کفر کا زمانہ

قریب تھا مجھے خوف ہوا کہ کہیں مسلمانوں میں پھوٹ نہ پڑ جائے انتہیٰ۔

دیکھئے آپ صاف فرما رہے ہیں کہ لوگوں نے ابوبکر کو والی بنا لیا اور یہ بات بھی آپ تسلیم فرماتے ہیں کہ والی اور خلیفہ بنانے کا حق اعلیٰ درجہ کے لوگوں کو ہے جیسا کہ ناسخ التواریخ کی جلد سیوم میں ہے (صفحہ ۱۱۱) کہ امیرالمومنین نے معاویہ کے نام خط لکھا جسمیں یہ عبارت موجود ہے وانه بایعنی القوم الذین بایعوا ابابکر وعمر وعثمان علی ما بایعوهم علیه فلم یکن للشاهد ان یختار ولا للغائب ان یرد وانما الشوری للمهاجرین والانصار فان اجتمعوا علی رجل سموه اماما کان ذلك لله رضی یعنے میرے ہاتھ پر ان لوگوں نے بیعت کی جنھوں نے ابوبکر و عمر و عثمان کے ہاتھ پر بیعت کی تھی اور اسکے بعد نہ کسی موجود شخص کو حق ہے کہ دوسرے کو اختیار کرے اور نہ غائب کو حق ہے کہ اوسکو رد کرے کیونکہ شوری کا حق مہاجرین وانصار کو ہے اگر وہ کسی شخص پر اتفاق کرکے اوسکو اپنا امام بنا لیں تو اوسی کی امامت پر خدا بھی راضی ہے انتہیٰ۔

دیکھئے علیؓ کے ارشاد سے ثابت ہے کہ مہاجرین وانصار کو ابتدا سے خلیفہ بنانے کا حق تھا اور خلفائے ثلثہ کو جو انھوں نے خلیفہ بنایا سو اونکی خلافت سے خدا بھی راضی ہے اسی وجہ سے آپنے کبھی خلافت کا دعوی نہیں کیا تاکہ خلاف مرضی آلہی نہو۔ اور نہج البلاغہ ص ۱۱۱ میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا قول نقل کیا ہے کہ ما اختلفت دعوتان الا کانت احدهما ضلالة یعنے خلافت کے جب دو دعوے دار ہوں تو ایک ضرور گمراہی پر ہوگا۔ جب خلفائے ثلثہ کی خلافت باتفاق اہل شوری نافذ اور مرضی الہی کے مطابق ہوگئی اوسکے بعد دعوے کرنا ضلالت تھا اسلئے کبھی آپنے دعویٰ خلافت نہیں کیا۔

غرضکہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے خیالات ایسے نہ تھے جیسے دنیا داروں کے ہوا کرتے ہیں کہ کسی طرح خواہ جائز ہو یا نہ ہو حکومت حاصل کرلیں۔ آپکا نفس نفیس خاص توجہات نبوی کے فیضان سے للّٰہیت کے اوس درجہ پر ترقی کر گیا تھا کہ ہر شخص اپنے نفس پر اوسکو قیاس نہیں کرسکتا آپکو ہر کام میں اسلامی مصلحت پیش نظر رہا کرتی تھی۔ ازالۃ الخفار میں استیعاب سے نقل کیا ہے کہ علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کئی راتیں اور دن بیمار رہے اس عرصہ میں جب نماز کا وقت آتا تو فرماتے کہ ابو بکر سے کہو کہ نماز پڑھا دیں پھر جب حضرت کی وفات ہوئی تو میں نے سوچا کہ نماز علم اسلام اور قوام دین ہے اس لئے ہم اپنے دنیوی معاملات میں بھی راضی ہوگئے جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اونکو پسند فرمایا تھا اور اونکے ہاتھ پر بیعت کی اور تمام مسلمانوں کی طرح اونکی اطاعت کرتے رہے۔ ہرچند بعض حضرات منصب امامت نماز کی توہین کر کے کہتے ہیں کہ امامت کوئی قابل وقعت چیز نہیں جس سے خلافت ثابت ہوسکے۔ مگر اہل انصاف اگر غور فرمادیں تو معلوم ہو کہ قرائن حالیہ اور خصوصیت مقامی کو فہم مطالب میں کس قدر دخل ہے۔ دیکھئے کوئی جلیل القدر بادشاہ دربار عام میں کسی بزرگ کی تعظیم کے لئے اٹھ کھڑا ہو اور مسند چھوڑ کر علیحدہ بیٹھ جائے تو دیکھنے والوں کی نظر میں اوس بزرگ کی کیسی وقعت ہو گی اور امرا اور مقربین بارگاہ سلطنت کس ادب سے اوس سے ملیں گے۔ اب اگر کوئی خارجی شخص کہے کہ مسند سے اٹھ جانا کوئی قابل قدر بات نہیں سانپ بچھو کے آنے سے بھی اُٹھ جاتے ہیں تو اس فقرہ سے اوس بزرگ کی توہین تو ہو جائیگی مگر اصل واقعہ سے اوسکو کچھ تعلق نہو گا۔ ہرچند قیام دونوں میں ہے مگر اوس قیام تعظیمی کا اثر عموماً اہل دربار پر اور خصوصاً مقربان بارگاہ شاہی

جو ہوگا انہی کا دل اوسے جانتا ہے جس سے اوس بزرگ کی تعظیم پیدا ہونکے دل خود بخود مائل ہوگئے

اب غور کیجئے کہ مسجد نبوی میں کبھی ایسا نہ ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی

میں کسی کو امامت کرنے کا شرف حاصل ہوا ہو بلکہ کسی کو اوسکی آرزو تک نہ آئی ہوگی

اگر کہا جائے کہ اوس مقام کے تشخص میں گویا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود باجود داخل تھا

تو بے موقع نہ ہوگا۔ پھر جب حضرت بیماری کی وجہ سے وہاں تشریف نہ لا سکے اور نماز

کا وقت آگیا تو کسی یہ جرأت نہ ہوسکی کہ سجادہ خاص پر قیام کرکے بطور خلافت یا نیابت

خدمت امامت کو انجام دے حالانکہ علی کرم اللہ وجہہ کو اوس مقام سے خاص تعلق تھا

یہانتک کہ جنابت کی حالت میں بھی آپ کو وہاں سے گذرنے کا حق تھا اس کے سوا

قرب قرابت اور اہل بیت ہونیکا جو شرف حاصل تھا کسی کو نہ تھا باوجود اسکے آپ سے

بھی نہ ہوسکا کہ اوس مقام میں کھڑے ہوکر اوس خدمت کو انجام دیں۔ اب صدہا صحابہ

جن کو اقسام کی خصوصیتیں حاصل تھیں دم بخود اوس انتظار میں ہیں کہ دیکھئے کس کو

یہ شرف خلافت اور نیابت حاصل ہوتا ہے کہ اتنے میں ارشاد ہوا کہ ابوبکرؓ اس خدمت کو

انجام دیں۔ ہرچند بعض ازواج مطہرات نے اس انتخاب میں کلام کیا مگر اوس پر کچھ توجہ

نہ ہوئی بلکہ کمال عتاب سے پھر وہی ارشاد مکرر ہوا کہ ابوبکر سے کہو کہ وہ امامت کریں۔

پھر یہ انتخاب اتفاقی طور پر ایک دو وقت کے لئے ہی نہ تھا بلکہ جب تک حضور اقدس

اس عالم میں تشریف رکھتے تھے انہی کو اپنا قائم مقام فرمایا اور کبھی اونکی عزت افزائی

کی غرض سے خود نے بھی اقتدا کی۔ غرضکہ قرائن حالیہ کے مشاہدہ سے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ

کی کچھ ایسی وقعت صحابہ کے دلوں میں جمی کہ خلافت کے وقت کسی کو چون و چرا کی گنجایش

ہی نتھی اور علی کرم اللہ وجہہ جیسے مزاج داں اور رمز شناس اصحاب نے معلوم کرلیا کہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہی کو خلافت کے لئے منتخب فرمایا ہے جیسا کہ اس روایت سے ظاہر ہے۔ اور اگر بعض صحابہ مثل سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے کچھ کلام بھی کیا تو وہ مقتضائے بشریت سے تھا کیونکہ وہ چاہتے تھے کہ انصار میں حکومت رہے اور خود جس طرح ایام جاہلیت میں حاکم تھے اسلام میں بھی رہیں۔ بخلاف صدیق اکبرؓ کے کہ باوجود اوس تخصیص کے آپنے خلافت کا دعویٰ نہیں کیا البتہ حسب ارشاد نبوی یہ ضرور سمجھتے تھے کہ خلافت قریش میں رہے اور منا امیر و منکم امیر کو جائز نہیں رکھتے تھے۔

نہج البلاغۃ جلد (۲) ص ۳ میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا خط نقل کیا ہے جو اہل مصر کے نام آپنے تحریر فرمایا چنانچہ لکھا ہے ومن کتاب له علیه السلام الی اهل مصر مع مالك الاشتر لما ولاه امارتها اما بعد فان الله سبحانه تعالی بعث محمدا صلی الله علیه و اله نذیرا للعالمین و مهیمنا علی المرسلین فلما مضی علیه السلام تنازع المسلمون الامر من بعده فوالله ما کان یلقی فی روعی ولا یخطر ببالی وان العرب تزعج هذا الامر من بعده صلی الله علیه واله وسلم عن اهل بیته ولا انهم منحوه عنی من بعده فما راعنی الا انثیال الناس علی فلان یبایعونه فامسکت بیدی حتی رأیت راجعة الناس قد رجعت عن الاسلام یدعون الی محق دین محمد صلی الله علیه وسلم فخشیت ان لم انصر الاسلام واهله ان اری فیه ثلما او هدما یکون المصیبة علی اعظم من فوت ولایتکم التی انما هی متاع ایام قلائل یزول منها ما کان کما یزول السراب وکما یتقشع السحاب فنهضت فی تلك الاحداث حتی زاح الباطل و زهق

واطمأن الدین و تنہنہ (کو ۱۲) یعنے علیؑ نے جب مالک اشتر کو مصر کا والی بنا کر بھیجا تو اونکے
ساتھ اہل مصر کے نام یہ نامہ روانہ فرمایا کہ بعد حمد و صلوۃ یہ معلوم کرو کہ خدا تعالی نے محمد صلی اللہ
علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا جب آپ اس عالم سے تشریف لیگئے خلافت میں لوگ جھگڑنے لگے
مگر خدا کی قسم مجھے خیال بھی نہیں آتا تھا کہ عرب خلافت اہل بیت کو خصوصاً مجھے نہ دینگے کسی
دوسرے خاندان میں دیدینگے پھر کیا دیکھتا ہوں کہ فلاں صاحب یعنے ابوبکرؓ پر لوگ ٹوٹ
پڑرہے ہیں اور بیعت کئے جاتے ہیں اس سے میں گھبرایا اور اسوقت تک بیعت سے ہاتھ
روکا کہ بعض عرب مرتد ہوکر دین محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے مٹانے کی فکر کرنے لگے اسوقت مجھے
خوف ہوا کہ اگر میں اسلام اور اہل اسلام کی مدد نہ کروں تو دین میں رخنہ پڑجائیگا یا وہ منہدم
ہی ہوجائیگا اور اوسوقت حکومت جانے سے زیادہ مجھ پر مصیبت ہوگی۔ دراصل حکومت
دنیوی چند روزہ مثل سراب کے سریع الزوال ہے۔ اس خیال سے میں اُن نئے خیال کے لوگوں
کے مقابلہ میں کھڑا ہوگیا یہانتک کہ باطل دفع ہوا اور دین باطمینان قائم ہوگیا۔

اس روایت سے کئی باتیں معلوم ہوئیں ایک یہ کہ علی کرم اللہ وجہہ ابوبکر رضی اللہ عنہ
کو اور اونکے ہاتھ پر بیعت کرنے والوں کو مسلمان سمجھتے تھے جیسا کہ فرماتے ہیں کہ اسلام
اور اہل اسلام کی مدد کی اس سے ثابت ہوا کہ جو روایتیں پیش کیجاتی ہیں کہ آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے ساتھ ہی سوائے تین شخصوں کے کل صحابہ مرتد ہوگئے سو
وہ بے اصل محض ہیں جن کو غالباً ابن سبا نے بنایا ہوگا جس کا حال انشاء اللہ تعالی قریب
میں معلوم ہوگا۔ دوسری یہ کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت کا زمانہ دین کے اطمینان
اور استقرار کا زمانہ تھا جیسا کہ فرمایا **زاح الباطل و زھق واطمان الدین**
تیسری یہ کہ آپنے بطوع و رغبت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی اور عمومی مصلحت کے

لحاظ سے اپنی ذاتی حکومت سے دست بردار ہو گئے تھے۔ چوتھی یہ کہ جس طرح تمام اہل اسلام ابوبکر رضی اللہ عنہ کی ماتحتی میں کام کرتے تھے آپ بھی کرتے تھے۔ پانچویں یہ کہ آپ ابوبکر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ برحق سمجھتے تھے کیونکہ حق تعالیٰ فرماتا ہے وتعاونوا علی البر والتقوےٰ ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان یعنے ایک دوسرے کی مدد نیک کاموں اور تقوےٰ میں کرو اور گناہ و زیادتی میں مددمت کرو چونکہ غاصب یقیناً مرتکب عدوان و زیادتی ہے اس لئے اوسکی مدد اس نص قطعی سے حرام ثابت ہو گی ہر چند یہ اسلام کی مدد تھی مگر ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت کا استحکام اس سے ضرور ہوا اور علی کرم اللہ وجہہ کا تقویٰ ہرگز اسکو گوارا نہیں کر سکتا تھا کہ غصب کا استحکام اور اوسکی تائید کریں۔ پھر اوس پر غصب کی تعریف بھی صادق نہیں آتی اس لئے کہ خود علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا ہے کہ خلیفہ بنانا مسلمانوں کا کام ہے جیسا کہ نہج البلاغہ وغیرہ میں مصرح ہے جس سے ثابت ہے کہ اوس زمانہ میں خلافت مسلمانوں ہی کا حق سمجھا جاتا تھا کہ جسکو چاہیں خلیفہ بناویں۔ اگر بالفرض ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنی خواہش سے خلیفہ بن بیٹھے بھی ہوں تو اوسکو جائز رکھنا یا نہ رکھنا مسلمانوں کا کام تھا پھر جب انھوں نے جائز رکھا تو اپنا حق اونکو دیدیا اور ظاہر ہے کہ جب صاحب حق کسی کو اپنا حق دیدے تو اوس کا مالک ہو جاتا ہے۔ بہرحال اس سے ثابت ہے کہ جتنی روایتیں غصب خلافت سے متعلق بیان کی جاتی ہیں تعجب نہیں کہ ابن سبا اور اوسکی کمیٹی والوں کی بنائی ہوئی ہوں۔ چھٹی یہ کہ مسلمانوں نے ابوبکرؓ کے ہاتھ پر بیعت بغیر جبر و اکراہ کے اپنی خوشی سے کی جیسا کہ فما راعنی الا انثیال الناس علی فلان یبایعونہ سے ظاہر ہے۔

اب رہی یہ بات کہ بعض روایتوں سے علیؓ کی ناراضی معلوم ہوتی ہے سو اوسکی وجہ

دوسری ہے جسکو ازالۃ الخفاء میں مستدرک حاکم سے نقل کیا ہے کہ علی اور زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما
فرماتے ہیں کہ اوائل میں ہمیں جو غصہ آیا اوسکی وجہ یہ تھی کہ ہم خلافت کے مشورے میں
شریک نہیں کئے گئے ورنہ ہم جانتے تھے کہ ابو بکرؓ مستحق خلافت ہیں کیونکہ وہ غار میں حضرت
کے رفیق تھے جن کی شان میں ثانی اثنین حق تعالیٰ نے فرمایا ہے اور اونکی شرف و بزرگی
کو ہم جانتے تھے کہ حضرت نے اپنی زندگی ہی میں اونکو امام بنایا تھا۔

تاریخ الخلفاء میں مستدرک حاکم وغیرہ سے منقول ہے کہ جب مہاجرین و انصار بیعت
کر چکے تو ابو بکرؓ خطبہ کے لئے منبر پر چڑھے اور حاضرین پر نگاہ ڈالی دیکھا کہ زبیر رضی اللہ عنہ
نہیں ہیں اونکو بلوایا اور کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پھوپی زاد بھائی اور
اونکے حواری اور حالت یہ کہ مسلمانوں میں تفرقہ ڈالنا چاہتے ہیں اونھوں نے کہا
لا تثریب یا خلیفۃ رسول اللہ مطلب یہ کہ مجھ سے قصور ہو گیا اب سرزنش نفرمائیے
یہ کہکر بیعت کر لی اوس کے بعد ابو بکرؓ نے پھر غور کیا تو علیؓ بھی نہیں ہیں اونکو بلوایا جب وہ آئے
تو فرمایا آپ کہتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چچا زاد بھائی ہوں اور داماد
بھی ہوں اور ارادہ یہ کہ مسلمانوں میں تفرقہ ڈالیں یہ سنتے ہی آپنے بھی لا تثریب
یا خلیفۃ رسول اللہ کہکر بیعت کر لی انتہی۔ اس روایت کی تصدیق ناسخ التواریخ
کی اوس روایت سے ہوتی ہے جو ابھی مذکور ہوئی کہ علی کرم اللہ وجہہ نے معاویہ رضی اللہ عنہ
کو لکھا کہ باوجودیکہ ابتداء میں ابو سفیان نے میرے ہاتھ پر بیعت کرنا چاہا تھا مگر میں نے
اس خوف سے انکار کر دیا کہ مسلمانوں میں تفرقہ پڑ جائیگا اس سے ظاہر ہے کہ دعوے خلافت
کی وجہ سے بیعت کرنے میں تعویق ہوتی تو فوراً آپ بیعت کر لیتے اس سے ثابت ہے کہ تعویق کا
سبب وہی تھا جو حاکم کی روایت سے ابھی معلوم ہوا۔

یہ بیعت کرنا اسی وجہ سے تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد صحابہ سب سے افضل ابوبکرؓ کو سمجھتے تھے چنانچہ ازالۃ الخفاء میں بخاری اور ابوداؤد سے منقول ہے کہ محمدؒ بن حنفیہ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے والد یعنے علی کرم اللہ وجہہ سے پوچھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خیر الناس کون ہیں فرمایا ابوبکر رضی اللہ عنہ پھر پوچھا اونکے بعد فرمایا عمر رضی اللہ عنہ

ازالۃ الخفاء میں اکثر روایتیں مختلف طریقوں اور متعدد کتابوں سے نقل کی ہیں جن کا مضمون یہ ہے کہ علی کرم اللہ وجہہ نے بارہا لوگوں کے سوال کے جواب میں اور خطبوں میں یہی فرمایا ہے کہ ابوبکر اور اونکے بعد عمر خیر الناس اور افضل ہیں۔

اور استیعاب سے نقل کیا ہے کہ علیؓ نے علی رؤس الاشہاد فرمایا کہ جو شخص مجھ کو ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما پر فضیلت دیگا میں اوسکو مفتری کی حد ماروں گا۔

اور اوسی میں یہ روایت ہے کہ ایک روز علی کرم اللہ وجہہ نے لوگوں سے پوچھا کیا تمھیں خبر دوں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کون شخص اس امت میں سے پہلے جنت میں داخل ہوگا لوگوں نے خواہش ظاہر کی۔ فرمایا پہلے ابوبکرؓ جائینگے اونکے بعد عمرؓ کسی نے کہا کیا آپ سے بھی پہلے یہ دونوں صاحب جائینگے؟ فرمایا ہاں خدا کی قسم یہی بات ہے وہ جنت میں داخل ہو جائینگے اور میں معاویہ کے حساب وکتاب میں رکا رہونگا۔

ازالۃ الخفاء میں ترمذی اور ابن ماجہ سے منقول ہے کہ علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا کہ جتنے میانہ سن ادھیڑ لوگ پچھلی امتوں کے اور اس امت کے جنت میں داخل ہونگے سب کے سید ابوبکرؓ و عمرؓ ہیں یہ کہکر فرمایا اے علی! تم اونکو اسکی خبر نہ دو۔

ازالۃ الخفاء میں مسند امام احمد سے منقول ہے کہ جنگ جمل کے روز علی کرم اللہ وجہہ نے

فرمایاکہ امارت کے باب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی بات قرار نہیں دی بلکہ جو کیا ہمنے اپنی رائے سے کیا چنانچہ ابو بکرؓ خلیفہ بنائے گئے خدا کی رحمت ابو بکرؓ پر ہوا نھوں نے دین کو قائم کیا اور خود نے بھی اوسپر استقامت کی اون کے بعد عمرؓ خلیفہ ہوئے خدا کی رحمت عمرؓ پر ہوا وہنوں نے دین کو خوب قائم کیا اور خود نے بھی استقامت کی یہانتک کہ دین نہایت آسایش میں رہا۔

ازالۃ الخفاء میں مستدرک حاکم سے منقول ہے کہ علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ دین میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سابق ہیں اور دوسرے ابو بکرؓ اور تیسرے عمرؓ اونکے بعد فتنہ نے ہم میں بدنظمی ڈالدی خدا تعالی جسکو چاہیگا معاف کریگا۔

تاریخ الخلفاء میں یہ روایت ہے کہ جب علی کرم اللہ وجہہ بصرہ تشریف لیگئے ابن کوا اور قوس ابن عباد نے پوچھا کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خلافت کیلئے آپ کو ولیعہد مقرر فرمایا تھا؟ کہا اگر مجھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ولیعہد مقرر فرماتے تو ابو بکر وعمر رضی اللہ عنہما کو آپکے منبر پر کھڑے رہنے نہ دیتا اور اپنے ہاتھ سے اونکو قتل کرتا اگرچہ سوائے اس چادر کے میرا کوئی رفیق نہوتا۔ لیکن بات یہ ہے کہ حضرت ناگہاں قتل نہیں کئے گئے اور نہ مرگ مفاجات سے آپ کا انتقال ہوا بلکہ کئی رات دن بیمار رہے اور نماز کے وقت موذن آکر نماز کی خبر دیتا اور آپ ابو بکر رضی اللہ عنہ کو امامت کا حکم فرماتے حالانکہ میں بھی وہاں موجود ہوتا اور مجھ کو ملاحظہ بھی فرماتے اور باوجودیکہ کسی بیوی نے اس باب میں کچھ کہا بھی تو اون پر خفا ہو کر ابو بکر رضی اللہ عنہ ہی کو امامت کا حکم دیا۔ پھر جب حضرت کا انتقال ہوا تو ہم نے اپنے معاملہ میں غور کیا دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے دین کے معاملہ میں ابو بکر رضی اللہ عنہ کو پسند فرمایا تو ہم نے اپنے دنیا کے معاملہ میں بھی

اتفاق علی بر خلافت ابی بکر رضی اللہ عنہ

اونہی کو اختیار کیا کیونکہ نماز اصل اسلام اور قوام دین ہے اسلئے ہم نے ابو بکر رضی اللہ عنہ کے
ہاتھ پر بیعت کی اور وہ اوسکے اہل بھی تھے اس لئے کسی دو شخصوں نے بھی اس باب میں
اختلاف نہ کیا پھر میں نے اونکا پورا حق ادا کیا اور اونکی اطاعت کی اور اونکے لشکر میں
شریک ہوکر جنگ کی جب وہ کچھ دیتے تو میں لے لیتا۔ اور جنگ پر بھیجتے تو جاتا اور اونکے
روبرو اپنے ہاتھ سے حد مارتا پھر عمر اور عثمان رضی اللہ عنہما کے ہاتھ پر بیعت کی اور یہی
کام اونکے وقت میں بھی کرتا رہا انتہی۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ جو فرماتے ہیں کہ ابو بکرؓ کی
خلافت میں کسی نے اختلاف اور کلام نہیں کیا اس سے پوری پوری تصدیق آپ کے
اوس قول کی ہوتی ہے جو نہج البلاغہ صفحہ ۹۷ میں ہے من اصلح بینه و بین الله اصلح
الله ما بینه و بین الناس و من اصلح امر اخرته اصلح الله له امر دنیاه
و من کان له من نفسه واعظ کان علیه من الله حافظ یعنے جس نے
اپنے اور خدا کے درمیانی معاملات کو درست کرلیا تو خدا تعالی اوسکے اور لوگوں کے درمیانی
معاملات کو درست کردیتا ہے اور جس نے اپنی آخرت کا کام درست کرلیا خدا تعالی اوسکے
دنیوی کاموں کو درست کردیتا ہے اور جس کے لئے اوسکا خود نفس واعظ ہو تو خدا تعالے
ایک نگہبان اوس پر مقرر فرمادیتا ہے جو لغزشوں سے اوسکو محفوظ رکھتا ہے۔ اس سے
ظاہر ہے کہ ابو بکرؓ سے تمام صحابہ جو راضی تھے اوسکی یہی وجہ تھی کہ خدا تعالی کو اونھوں نے
راضی کرلیا تھا۔

یہ چند روایتیں گویا مشتے نمونہ از خروارے ہیں انکے سوا اور بہت سی روایتیں
کتب احادیث میں مذکور ہیں جن سے ظاہر ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ ابو بکر صدیق
اور عمر فاروق رضی اللہ عنہما کو اپنے سے افضل اور مستحق خلافت سمجھتے تھے اور اون کی

اطاعت کو اپنا فرض منصبی جانتے تھے۔

اب چند آیات بھی دیکھ لیجئے جن سے خلفائے راشدین کی خلافت کا ثبوت ہوتا ہی حقتعالے

فرماتا ہے ھو الذی جعلکم خلائف الارض ورفع بعضکم فوق بعض درجات

لیبلوکم فیما اتاکم یعنے وہی اللہ ہے جسنے تمھیں زمین میں خلیفہ بنایا اور بعض کے درجے بعضوں سے

بلند کئے تاکہ آزمائے تمھیں مال اور جاہ میں جو تمھیں دیا ہی دیکھئے اس آیۂ شریفہ میں گویا حقتعالے اپنے علم ازلی

اظہار فرماتا ہے کہ ہم نے مسلمانوں کو زمین کے خلیفہ بنائے جن میں سے بعضوں کو مدارج عالیہ

عطا فرمائے یہ خلفائے راشدین کی طرف اشارہ ہے اور ارشاد ہے کہ مقصود اس سے خلفاء

کی آزمایش ہے چنانچہ خلفائے راشدین اس آزمایش ہیں کامل عیار ثابت ہوئے جیسا کہ

کتب سیر و تواریخ سے ظاہر ہے۔ انھوں نے ہر کام میں مرضیات الٰہی کی اسقدر پابندی

کی کہ باوجود سلطنت کے فقر وفاقہ کو اختیار کیا۔ مسلمانوں کی قلیل التعداد جماعت کے ساتھ

اسلام کے حدود اتنے بڑھائے کہ بعد والے کرڈرہا مسلمان بھی انکی پوری حفاظت نہ کر سکے

ان حضرات کی کارگزاریوں کا کوئی انکار نہیں کرسکتا۔ تفسیر منہاج الصادقین جلد ۵ ص ۳۳ جو حضرات شیعہ کی

معتبر تفسیر ہے اس سے مولوی محمد جہانگیر خاں صاحب مصنف تذکرۃ الخلفاء شکوہ آبادی

نے آیہ موصوفہ کی تفسیر میں نقل کیا ہے کہ بر ہر تقدیر خطاب با اہل ایمان است کہ امت مرحومہ اند

ومعنی آنست کہ اے مومنان شما را خلیفہ گذشتہ گردانید۔ اور اسی میں یہ بھی لکھا ہے

کہ آیۂ تعز من تشاء کے تحت میں منہاج الصادقین میں لکھا ہے کہ مراد عزت باہل سنت اسے

باستیلائے دیار عرب و عجم و مراد ذلت اہل فارس و روم وغیر ایشاں از کفار امم

جب بتصریح حضرات شیعہ ثابت ہے کہ خلفائے راشدین بلکہ جمیع صحابہ کو خدائے تعالیٰ نے

خلفاء بنایا اور ان کو عزت دی تو ایسے معزز خلفا کی توہین وتذلیل کرنا اور انکی خلافت کو

غصبی خلافت کہنا کیونکر جائز ہوگا۔

قولہ تعالیٰ ولقد کتبنا فی الزبور من بعد الذکر ان الارض یرثھا عبادی الصالحون۔ تذکرۃ الخلفاء میں تفسیر منہاج الصادقین سے نقل کیا ہے:

سعید ابن جبیر و مجاہد و ابن زید گویند کہ مراد بہ زبور از جنس کتب منزلہ ہست و ذکر لوح محفوظ یعنے در جمیع کتب آسمانی نوشتہ ایم پس ازانکہ در لوح محفوظ ثبت کردہ بودیم یعنے حکم کردہ ایم کہ زمین دنیا را بندگان ما کہ امت پیغمبر آخر الزماں اند بمیراث گیرند یعنے بہ فتح و نصرت و اجلائے کفار دراں تصرف نمایند۔ بنا بر قولہ تعالیٰ لیظہرہ علی الدین کلہ و از حضرت رسالت صلی اللہ علیہ وسلم مروی است کہ فرمود زویت لی الارض فاریت مشارقھا و مغاربھا و سیبلغ ملک امتی ما زوی منھا یعنے فراہم آوردہ شد برائے من ہمہ زمین پس نمودہ شدم بر مشارق و مغارب آں وزود باشد کہ برسد ملک امت من آں مقدار کہ فراہم آوردہ شدہ برائے من از زمینے۔ دیکھئے اس آیہ شریفہ سے ثابت ہے کہ جو حضرات ان ملکوں کو فتح کرکے بحسب وعدہ الہی انکے وارث ہوئے وہ سب صلحاء تھے جسکی تصدیق علامہ مولف منہاج الصادقین نے بھی کی ہے۔ کیونکہ جنکو خود خدا تعالیٰ عبادی الصالحون فرماوے انہیں کون کلام کرسکتا ہے۔ اب دیکھئے کہ کل فتوحات خلفائے ثلثہ ہی کے زمانے میں ہوئے۔ جنکی عزت افزائی میں خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ عبادی الصالحون یعنے وہ خاص میرے صلحاء بندے ہیں انکو مرتد و کافر وغیرہ کہنا کسقدر بے ادبی ہوگی اور جنکی اطاعت کرکے صحابہ نے یہ وراثت حاصل کی انکو اولی الامر واجب الاتباع نہ سمجھنا اور یہ کہنا کہ اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر کے رو سے علی کرم اللہ وجہہ واجب الاتباع تھے سب نے اس آیہ شریفہ کی

مخالفت کی جس کی وجہ سے صلحا کا اطلاق اون پر نہیں ہو سکتا کس درجہ بے موقع ہوگا۔

قولہ تعالیٰ الذین ان مکنا ھم فی الارض اقاموا الصلوٰۃ واتوا الزکوٰۃ وامروا بالمعروف ونھوا عن المنکر ترجمہ وہ لوگ یعنی مہاجرین اگر حاکم وقت بنا کر زمین میں ہم اونکے پاؤں جمائیں تو وہ نماز کو قائم کرینگے اور زکوٰۃ دینگے اور لوگوں کو اچھے کاموں کا حکم کرینگے اور بُرے کاموں سے منع کرینگے۔ یہ آیت شریف مہاجرین کے شان میں نازل ہوئی کیونکہ شروع آیت یہ ہے اذن للذین یقاتلون بانھم ظلموا وان اللہ علی نصرھم لقدیر الذین اخرجوا من دیارھم بغیر حق الا ان یقولوا ربنا اللہ یعنے جن مسلمانوں سے کافر لڑتے ہیں اور اونکو بھی کافروں سے لڑنے کی اجازت ہے اسواسطے کہ اون پر ظلم ہوا ہے اور کچھ شک و شبہ نہیں کہ اللہ اونکی مدد کرنے پر قادر ہے وہ لوگ صرف اتنی بات کہنے پر کہ ہمارا رب اللہ ہے ناحق اپنے گھروں سے نکالے گئے انتہی۔ اسکے بعد الذین ان مکنا ھم الایہ ہے۔

اہل بصیرت اس آیۂ شریفہ سے سمجھ سکتے ہیں۔ کہ جس وقت حق تعالیٰ نے مہاجرین کی مظلومیت اور حقانیت کے لحاظ سے اونکو جہاد کی اجازت دی۔ اوسوقت جانتا تھا کہ یہ سلسلہ ختم نہوگا اوسوقت تک کہ عرب و عجم داخل حدود اسلام نہ ہولیں اور وقتاً فوقتاً اونکو باطنی تائید دیجائیگی۔ اور جن کے ہاتھوں پر جو فتوحات ہونیوالے تھے۔ وہ سب کے سب پیش نظر تھے۔ ہر چند کسی مصلحت سے اونکے نام نہیں بتائے گئے مگر اس امر کی تصریح فرمادیگئی۔ کہ جو مظلوم گھروں سے نکالے گئے اس درجہ کے ہیں۔ کہ اگر اونکو خلافت دیجائے تو عمدگی سے اوسکو انجام دینگے۔ پھر جب وقت اوس کا آگیا تو غیب سے سب کے دلوں میں القاء ہوگیا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ مقرر کرلیں۔ چنانچہ ایک ہی مجلس میں

یہ معاملہ طے ہوگیا۔ حالانکہ مختلف قبائل مختلف مزاجوں کے خود سر ہتیار بند لوگ واں جمع تھے اور مخالفتیں بھی ہوتی رہیں۔ مگر تھوڑے ہی عرصہ میں وہ جھگڑا طے ہوگیا۔ جو تیرہ سو سال سے ابتک طے نہیں ہوا اور نہ آیندہ اوسکے طے ہونے کی امید ہے۔ اس تھوڑی مدت میں اتنے بڑے مہتم بالشان وخطرناک امر کا طے ہونا بغیر اسکے کہ منجانب اللہ تائید والقا ہو ممکن نہیں۔ اسی کا نام فلتہ ہے۔ جس کی خبر عمر رضی اللہ عنہ نے دی ہے۔ کانت بیعۃ ابو بکرؓ فلتۃ وقی اللہ المسلمین شرھا یعنے ابو بکرؓ کے ہاتھ پر جو بیعت کیگئی تھی بے سوچے سمجھے ناگہانی تھی۔ مگر اوسکے بُرے اثر سے خدائے تعالیٰ نے مسلمانوں کو بچا رکھا۔ کیوں نہو وہ تو القاء ربانی تھا وہاں شر کو کیا دخل۔ اس ناگہانی بیعت کی وجہ یہ تھی۔ کہ خدائے تعالیٰ کو منظور تھا کہ ابو بکرؓ خلیفہ مقرر ہوں۔ اسوجہ سے کسی کی کچھ چل نہ سکی اور لوگوں میں عموماً آپ کا القا ہوگیا اور سب نے بطیب خاطر بے چون وچرا اوسکو مان لیا۔ اسکی خبر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی دی تھی جو مسلم شریف کی حدیث سے ظاہر ہے۔ کہ فرماتے ہیں یابی اللہ والمومنون الا ابو بکر ذکرہ فی المشکوۃ یعنے نہ خدائے تعالےٰ ابو بکر رضی اللہ عنہ کے سوا کسی کے خلافت سے راضی ہوگا اور نہ اہل ایمان۔ وہ سب دوسرے کی خلافت کا انکار کر دینگے۔

دیکھئے یہہ آیہ شریفہ جس وقت نازل ہوئی تھی اوسوقت ممالک مقبوضہ اسلامیہ میں سے کوئی ملک مسلمانوں کے قبضہ میں نہ تھا چنانچہ ان مکنّاھم فی الارض سے بھی ظاہر ہے اوس حالت میں خدائے تعالیٰ مہاجرین کی نسبت اپنا اطمینان ظاہر فرماتا ہے۔ کہ اگر ہم اونکو حکومت دیں اور ملک پر قابض کرا دیں تو وہ اچھے کاموں کا حکم کرینگے اور بُرے کاموں سے منع کرینگے۔ اب اگر خیال کیا جائے کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ کی خلافت خدا ورسول کی مرضی کے

خلافت تھی اور علی کرم اللہ وجہہ مستحق خلافت تھے جس کا مطلب یہ ہوا کہ ابوبکرؓ کو خلیفہ بنانا منکر تھا اور علی کرم اللہ وجہہ کو خلیفہ بنانا معروف تھا تو لازم آئیگا کہ ان لوگوں نے نہ امر بالمعروف کیا نہ نہی عن المنکر کی اور خرابی اور فساد کا بیج بودیا۔ تو جب اصل ہی منکر اور فاسد ہو تو ظاہر ہے کہ اوسکے ثمرات کل اوسی قسم کے اور بنا رالفاسد علی الفاسد ہونگے۔

اب غور کیا جائے کہ حق تعالی تو فرماتا ہے کہ ان لوگوں کو حکومت دیں تو وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرینگے اور خیال یہ کیا جائے کہ اونھوں نے کچھ بھی نہ کیا بلکہ اوسکے خلاف کیا تو یہ خیال اوس اطمینان الہی کے مقابلہ میں کس قدر بدنما اور حیرت انگیز ہوگا۔ غرضکہ جس زمانہ میں ملک اونکے قبضہ میں دیا جارہا تھا اور اسلامی فتوحات ہو رہے تھے اوسوقت جنکو اونھوں نے خلیفہ بنانے کا حکم کیا وہ بحسب نص قطعی امر بالمعروف تھا۔ اور اگر اونکے خلاف میں کسی دوسری کو خلیفہ بنانیکا کسی نے ارادہ کیا ہوگا جس سے اونھوں نے منع کیا ہوگا تو وہ نہی عن المنکر تھی۔

قولہ تعالی وعد اللہ الذین امنوا منکم واعملوا الصلحت لیستخلفنھم فی الارض کما استخلف الذین من قبلھم ولیمکنن لھم دینھم الذی ارتضی لھم ولیبدلنھم من بعد خوفھم امنا یعبدوننی لایشرکون بی شیئا ترجمہ وعدہ دیا اللہ نے جو لوگ تم سے ایمان لائے اور نیک کام کئے البتہ حاکم کریگا انکو ملک میں جیسا کہ حاکم کیا تھا ان سے اگلوں کو اور جما دیگا انکو دین انکا جو پسند کر دیا انکے واسطے اور دیگا انکے ڈر کے بدلہ میں امن وہ میری بندگی کریں گے شریک نہ کرینگے میرا کسی کو انتہی۔

تذکرۃ الخلفاء میں لکھا ہے کہ منہاج الصادقین جو شیعہ کی کتاب ہے اسمیں لکھا ہے

لیستخلفنهم ہر آئینہ خلیفہ گرداند ایشاں را ایں جواب قسم مضمر است تقدیرہ وعداللہ واقسم لیستخلفنھم مطلب یہ کہ خدا تعالی قسم کھاکر فرمایا کہ صحابہ کو زمین کا خلیفہ بناؤنگا اسکے بعد لکھا ہے کہ در اندک زمانے حق تعالی وعدہ مومناں وفا نمودہ جزائر عرب و دیار کسری و بلاد روم بدیشاں ارزانی داشت ولیمکنن لهم ہر آئینہ متمکن وثابت سازد وبا قوت گرداند برائے مومنان صالح دینھم دین ایشاں را مراد دین اسلام است۔ الذی ارتضی لهم آں دینے کہ پسندیدہ و برگزیدہ است برائے ایشاں یعبدوننی لایشرکون بی شیئاً یعنے خلافت وحکومت وجاہ ایشاں را از توحید وعبادت باز ندارد ایں دلیل اعجاز قرآن وحجت صحت نبوت آں قدوۃ عالمیاں است چہ ایں اخبار است از غیب ومعلوم نمی شود مگر بوحی۔

دیکھئے خدا تعالی نے قسم کھاکر فرمایا کہ صحابہ کو خلافت دیگا اور جو دین کہ پسند فرمایا اسمیں انکو ثابت قدم کریگا اور باتفاق شیعہ وسنی یہ وعدہ اسی زمانہ میں پورا ہوا جیسا کہ منہاج الصادقین سے ابھی معلوم ہوا یعنے بمصداق لیستخلفنهم فی الارض کے مہاجرین میں سے ابوبکر اور عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم کو حق تعالی نے خلافت بھی دی اور بلاد عرب وعجم وغیرہ کو انکے زیر فرمان بھی کیا کیونکہ انھیں حضرات کی عہد حکومت میں یہ ملک فتح ہوا ہے۔ اور بمصداق لیمکنن لهم دینهم کے انکو اور انکے ہاتھ پر بیعت کرنیوالوں کو دین میں ثابت قدم بھی کیا ورنہ عرب وعجم یورپ اور افریقہ کے کروڑہا کفار کے مقابلہ میں چند صحابہ کی ہستی ہی کیا جو سر ہو سکتے اور بمصداق لیبدلنهم من بعد خوفهم امناً کے جو خوف انکو قبائل عرب اور سلاطین عجم اور یورپ اور افریقہ سے تھا اسکو دفع کرکے انکو مطمئن بنا دیا۔ اب ان تمام وعدوں کے پورے ہونیکے بعد یہ کہنا کہ مسئلہ امامت کا فیصلہ نہ ہوا اور بغیر امام برحق کے یہ سب کام ہو گئے

یا یہ کہنا کہ سب وعدے تو پورے ہوئے مگر خلیفہ بنانے میں غلطی ہوگئی اس آیۃ شریفہ کے کس قدر خلاف ہوے جاتا ہے۔

منہاج الکرامۃ جو حضرات شیعہ کی معتبر اور معتمد علیہ کتاب ہے اسکی ابتدا میں لکھا ہے کہ مسئلۃ الامامۃ التی یحصل بسبب ادراکھا نیل درجۃ الکرامۃ وھی احد ارکان الایمان المستحق بسببہ الخلود فی الجنان والتخلص من غضب الرحمان فقد قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من مات ولم یعرف امام زمانہ مات میتۃ جاھلیۃ یعنے مسئلہ امامت ایمان کا ایک رکن ہے جس نے خلیفہ برحق کو مانا وہ جنتی اور خدا کے غضب سے چھوٹا اور جسنے اپنے زمانہ کے امام کو نہ پہچانا وہ جاہلیت کی موت سے مریگا۔ اگر اس تقریر کے لحاظ سے یہ کہا جاے کہ اسوقت صحابہ نے مسئلہ امامت پر غور نہ کیا اور خلیفہ برحق کو خلیفہ نہ بنایا اسی وجہ سے اونکے دین میں ایک ایسا نقص رہا ہے کہ انکے ایمان کا ایک رکن ہی فوت تھا اور انکی موت جاہلیت کی موت ہوئی تو لازم آئیگا کہ خلفاے ثلثہ کو خدا تعالی نے خلیفہ نہیں بنایا بلکہ لوگوں نے خدا ورسول کی مخالفت کرکے خلاف وصیت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے انکو خلیفہ بنا لیا۔ اور ہر چند خدا تعالی نے اپنی قدرت کاملہ سے بحسب وعدہ اتنا بڑا ملک انکو فتح کرا دیا جس کا انسے فتح ہونا عادۃً محال تھا مگر اتنا نہ ہوا کہ حسب وعدہ خلیفہ برحق کو خلیفہ بناے جسکی وجہ سے انکا دین خدا کی مرضی کے مطابق ہوتا اور موت جاہلیت سے وہ نجات پاتے آیات مذکورہ اور دوسری آیتوں میں تو صحابہ کی بڑی بڑی تعریفیں ہیں اونکی نسبت یہ خیال کرنا وہ جاہلیت کی موت مرے اور وہ معاذ اللہ بے ایمان یا ناقص الایمان تھے کس قدر گستاخی ہے اہل انصاف اس آیۃ شریفہ میں اور تفسیر منہج الصادقین کی عبارت

میں ادنی تامل کریں تو معلوم ہوجائیگا کہ خلفائے اربعہ رضی اللہ عنہم کی خلافت اور امامت برحق تھی اور کل صحابہ کو اپنے امام کی معرفت پوری حاصل تھی اور انکا ایمان کامل تھا کوئی رکن ایمان کا انسے فوت نہیں ہوا اور جو طریقہ انھوں نے اختیار کیا وہ مطابق مرضی الہی تھا۔

جب ہم نصوص قطعیہ پر غور کرتے ہیں تو ایمیں جتنے وعدہ ہیں بحسب واقعات متفقہ شیعہ وسنی سب خلفائے ثلثہ اور اونکے تبعین پر صادق آتے ہیں اور وقائع گواہی دیرہے ہیں کہ جتنے تعریفیں اور وعدے نصوص میں وارد ہیں سب انھیں کے حق میں ہیں اگر ان نصوص قطعیہ کے مقابلہ میں کسی نص قطعی میں یہ ہوتا کہ علی کرم اللہ وجہہ سب سے پہلے خلیفہ ہونگے تو البتہ نصوص میں تعارض واقع ہوتا مگر ایسا نہوا۔ اس لئے نصوص قطعیہ کی مخالفت ہرگز درست نہیں ہوسکتی۔

کلینی میں ہے کہ امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے شرائط جہاد و مجاہدین پوچھے گئے آپنے صحابہ کے اوصاف وفضائل میں جو آیتیں قرآن شریف میں وارد ہیں پڑھیں اور فرمایا کہ اس قسم کے لوگ جہاد کرسکتے ہیں اور اسکے شرائط بیان کئے اسکے بعد پوچھا گیا کہ آیۂ شریفہ اذن للذین یقاتلون بانھم ظلموا سے جہاد کی اجازت تو انھیں مظلوموں کو دیگئی تھی جو مکہ سے نکالے گئے تھے پھر قیصر وکسری اور مشرکین عرب سے جو جہاد کیا گیا اسکی کیا وجہ فرمایا وظلم قیصر وکسرے ومن کان دونھم من قبائل العرب والعجم بما کان فی ایدیھم مما کان المومنون احق بھم منھم فقال قاتلوھم باذن اللہ عزوجل والحجۃ ھذہ الایۃ یعنے قیصر وکسری اور دوسرے قبائل عرب وعجم کا یہ ظلم تھا کہ جو ملک انکے ہاتھ میں تھے انکے مستحق اہل ایمان تھے اور وہ انکو دینا نہیں چاہتے تھے اس لئے اس آیۃ کی دلیل سے باجازت خدا تعالی صحابہ نے ان سے

جہاد کیا۔ اس سے ثابت ہے کہ خلفائے ثلثہ نے باجازت الٰہی قیصر و کسریٰ وغیرہ سے جہاد کیا اور کل شرائط ان حضرات میں موجود تھے۔ اور حدیث شریف من لم یعرف امام زمانہ فقد مات میتۃ جاھلیۃ سے بھی مقصود یہی ہے کہ جہاد وغیرہ امور امام وقت کی رائے سے ہوں جو متمم شرائط جہاد ہے اس سے ثابت ہے کہ علی کرم اللہ وجہہ وغیرہ صحابہ جو خلفائے ثلثہ کے ممد و معاون تھے جانتے تھے کہ وہ اپنے وقت کے امام برحق ہیں۔

کلینی صفحہ (۱۰۸) میں روایت ہے کہ من اصبح من الامۃ من لا امام لہ ظاھراً فھو ضال اس سے ظاہر ہے کہ امام ظاہر کی اطاعت ضرور ہے چونکہ اسوقت ابوبکرؓ وغیرہ امام ظاہر تھے اس لئے انکی اطاعت نکرنے کو گمرہی سمجھتے تھے۔

الحاصل خلفائے ثلثہ کی خلافت آیات و احادیث و اجماع صحابہ اور خود حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے اعتراف اور قرائن حالیہ و مقالیہ سے ثابت ہے اور یہ جو خیال کیا جاتا ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ خلافت نہ ملنے کی وجہ سے خلفائے ثلثہ سے ناراض اور مخالف رہے سو اسکا کوئی ثبوت نہیں برخلاف اسکے ان حضرات کے ساتھ خلوص و اتحاد متعدد قرائن و روایات سے ثابت ہے۔ اس سے زیادہ کیا ہو کہ عمرؓ کے ساتھ اپنی صاحبزادی کا نکاح کر دیا جو باتفاق حضرات شیعہ و اہل سنت ثابت ہے۔

تاریخ الخلفاء میں دارقطنی سے منقول ہے اور نیز تاریخ کامل میں لکھا ہے کہ جب ابوبکرؓ جہاد کی غرض سے سوار ہو کر مدینہ کے باہر ہوئے علی کرم اللہ وجہہ آپکے ناقہ کی مہار پکڑ لی اور کہا کہ اے خلیفہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کہاں جاتے ہیں! آپکو میں وہی کہتا ہوں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے احد کے روز آپسے فرمایا تھا کہ تلوار کو میان کرو اور ہمیں اپنی جدائی کی مصیبت نہ ڈالو اب آپ مدینہ کو واپس چلیں خدا کی قسم اگر آپکی مفارقت کا

درد و الم ہمیں ہو یعنے آپ شہید ہو جائیں تو اسلام میں پھر کبھی انتظام نہو گا چنانچہ آپ واپس ہوئے اور لشکر کو روانہ کر دیا۔

یہ تھی علی کرم اللہ وجہہ کی محبت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ اور اسلام کی غمخواری کہ اُنکا دار الخلافہ سے جدا ہونا گوارا نہ ہوا۔ اور یہ غمخواری اور ہمدردی صرف صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہی کے ساتھ مخصوص نہ تھی بلکہ عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ بھی آپنے اسی قسم کی ہمدردیوں کا اظہار کیا جیسا کہ نہج البلاغہ صفحہ ۱۳۰ میں مذکور ہے۔

ناسخ التواریخ کی جلد دویم صفحہ ۱۰۷ میں لکھا ہے کہ ابو بکرؓ جب ملک عرب کے انتظام اور مرتدوں کی تنبیہہ اور سرکوبی سے فارغ ہوئے۔ اس خیال میں تھے کہ روم پر چڑھائی کیجائے شرجیلؓ ایک روز صبح ہی آئے اور کہا کہ آپ روم کی فتح کا ارادہ کیوں نہیں فرماتے کہا مجھے بھی کئی روز سے اسکا خیال آرہا ہے مگر تم جو اسوقت تحریک کر رہے ہو اسکی کیا وجہ کہا آجکی رات میں نے خواب میں دیکھا کہ آپ ایک پہاڑ پر ہیں اور میں بھی ایک جماعت کے ساتھ حاضر ہوں پھر میں ایک مکان پر چڑھا اور وہاں سے ہموار زمینوں اور شہروں پر جا رہا ہوں اور آپنے انکے لوٹنے کا حکم دیا ہے میرے ہاتھ میں اسوقت ایک سبز علم تھا میں کسی گاؤں پر گیا وہاں کے لوگوں نے مجھ سے امن طلب کی اور میں نے دی پھر جب میں وہاں سے آپکے پاس آیا تو آپ کو ایک حصار میں پایا جسکو آپ ہی نے فتح کیا تھا آپ وہاں سونے کی کرسی پر تشریف رکھتے ہیں اور ایک شخص آپکے پاس سورۂ انا فتحنا پڑھ رہا ہے۔ ابو بکرؓ نے خواب کی تعبیر دیکر مہاجرین اور انصار کو جمع کیا اور فرمایا کہ خدا تعالیٰ کا شکر ہے کہ ہم سب مسلمانوں کو متفق اور ہمارے دلوں کو ایک دوسرے کے موافق کیا اب میرا خیال ہے کہ روم کی طرف لشکر روانہ کروں اس باب میں آپ صاحبوں کی کیا رائے ہے۔ عمرؓ نے کہا کہ بیشک

صحابہ کی وقت ضرورت اتفاق

جانتے ہیں کہ کسی کو آپ پر سبقت نہیں خدا تعالیٰ کا فضل آپکی رفاقت دیگا مناسب ہے کہ لشکر روانہ فرمائیں حق تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس ملک اور دوسرے ملک کی فتح کا وعدہ فرمایا ہے۔ اسی طرح عثمانؓ۔ عبدالرحمان بن عوفؓ۔ طلحہؓ زبیرؓ وغیرہ کبار صحابہ رضی اللہ عنہم نے تقریریں کیں آپنے علی کرم اللہ وجہہ کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ اے ابوالحسن آپ اس باب میں کیا فرماتے ہیں کہا کہ خواہ آپ بذات خود جائیں یا لشکر بھیجیں آپکو فتح ہوگی کہا یہ کس دلیل سے آپ کہتے ہو کہا یہ بات میں نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہے۔ ابوبکرؓ نے یہ حدیث سنکر فرمایا اے مسلمانو علیؓ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کے وارث ہیں انتہی۔

عون فتح صدیقی

دیکھئے اس روایت سے جو حضرات شیعہ کے پاس بھی مستند ہے کس وضاحت سے ثابت ہو رہا ہے کہ علی کرم اللہ وجہہ کو ابوبکرؓ کے ساتھ دلی اتفاق اور صفائی تھی کیونکہ جب اپنے اس بات پر شکر کیا کہ ہم سب کے دل متفق اور موافق ہیں تو علی کرم اللہ وجہہ نے یہ نہیں فرمایا کہ مجھے تمھارے ساتھ اتفاق اور موافقت نہیں ہے اور کیونکر آپ خلاف واقع یہ خبر دیتے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت سے آپ میں اور صدیق اکبر اور عمرؓ وغیرہ صحابہ رضی اللہ عنہم میں کمال درجہ کی الفت اور محبت تھی جسکی خبر خود خدا تعالیٰ نے اپنے کلام پاک میں دی ہے

قولہ هو الذی ایدک بنصرہ و بالمومنین والف بین قلوبهم لو انفقت ما فی الارض جمیعًا ما الفت بین قلوبهم و لکن اللہ الف بینهم انه عزیز حکیم یعنے اے نبی خدا ہی نے اپنی نصرت سے اور مسلمانوں سے آپکی مدد کی خدا نے مسلمانوں کے دلوں میں باہمی الفت ڈالدی۔ تمام زمین میں جو کچھ ہے اگر آپ خرچ کرکے انکے دلوں میں الفت ڈالنا چاہتے تو بھی نہیں ہو سکتا لیکن خدا نے انہیں باہمی الفت دی

یقیناً خدا تعالیٰ غالب حکمت والا ہے۔

اور دوسری جگہ ارشاد ہے واعتصموا بحبل اللہ جمیعا ولا تفرقوا واذکروا نعمۃ اللہ علیکم اذ کنتم اعداء فالف بین قلوبکم فاصبحتم بنعمتہ اخوانا یعنے اللہ کی رسی یعنے دین کو تم سب مضبوط پکڑے رہو اور متفرق مت ہو اور یاد کرو اللہ کی نعمت کہ جو خاص تم سے متعلق ہے کہ تم آپسمیں ایک دوسرے کے دشمن تھے خدا تعالےٰ نے تمھارے دلوں میں باہمی الفت ڈالدی اور اس نعمت کی وجہ سے تم آپسمیں بھائی بھائی ہوگئے۔ دیکھئے خدا تعالیٰ کے ارشاد سے ظاہر ہے کہ صحابہ میں پیشتر اسقدر دشمنی تھی اسکے بعد دوستی ہونا محال تھا۔ پھر جب خدا تعالیٰ نے انہیں الفت دی تو اسقدر کہ آپسمیں بھائی بھائی ہوگئے۔ اب کہئے کہ باوجود ایسی معتبر شہادت الٰہی کے کیا یہ خیال ہوسکتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اونکے دلوں میں باہمی کدورتیں تھیں اگر خدا تعالیٰ کی شہادت کے بعد بھی کوئی کہے کہ ان کبار صحابہ کے دلوں میں باہمی کدورت تھی تو اوسکا جواب نہیں پھر اس محبت کے آثار بھی ظاہر ہیں جو خارج از قیاس ہیں کہ تمام ملک عرب بلکہ تمام دنیا ایک طرف اور یہ چند صحابہ یک طرف اور غلبہ بھی انھیں کا رہا۔ اگر سب یکدل نہوتے تو ممکن نتھا کہ اُنسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد ہوسکتی۔ اسی وجہ سے حق تعالیٰ نے مدد کے موقع پر اُنکی الفت باہمی کا ذکر فرمایا اور دوسرے موقع میں فرمایا ولا تنازعوا فتفشلوا وتذھب ریحکم یعنے آپسمیں جھگڑے مت کرو ورنہ بزدل ہوجاوگے اور تمھاری ہوا جاتی رہے گی۔ اس سے ظاہر ہے کہ اونمیں مخالفت اور جھگڑے نہ تھے ورنہ بزدل ہوجاتے اور ہوا پھر جاتی اور مغلوب ہوجاتے اور ان تمام آیتوں پر غور کرنے سے صاف ظاہر ہے کہ ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے زمانہ میں جو آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کی تائید ہوئی فی الحقیقت حضرت ہی کی تائید تھی۔ اس کا
اصلی سبب مسلمانوں کی باہمی یکدلی واخوت اور اتفاق تھا۔ اسوجہ سے تمام ملک عرب کو
ازسرنو فتح کرلیا اسکے بعد شام عراق۔ افریقہ جیسے وسیع اور باقاعدہ سلطنتوں کو فتح کرکے
وہاں اسلام کا جھنڈا قائم کر دیا۔ اس سے ظاہر ہے کہ خدا تعالی نے جوالفت اور اخوت
باہمی کل صحابہ میں عطا کی تھی۔ اُسوقت موجود تھی ورنہ بحسب آیۃ شریفہ مسلمانوں کی ہوا
بگڑ جاتی اُسوقت تک کسی قسم کی مخالفت عموماً صحابہ اور خصوصاً کبار صحابہ کے دلوں میں
آئی نہ تھی۔ پھر جب عثمانؓ کی شہادت کے بعد مخالفت پیدا ہوئی تو خلیفہ برحق یعنے علی
کرم اللہ وجہہ سے صرف ایک ملک شام بھی فتح نہ ہوسکا یہ نکبت باہمی مخالفت کی تھی۔
اہل انصاف کو ان قرائن پر غور کرنے سے یہ بات سمجھ میں آجائیگی کہ جتنی روایتیں علی کرم اللہ وجہہ
اور ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہم کے باہمی مخالفت کی بیان کیجاتی ہیں سب ابن سبا کی بنائی
ہوئی ہیں جس کا حال انشاء اللہ آیندہ معلوم ہوگا۔ غرضکہ اسی بنا پر ابوبکرؓ نے آپکو شورہ
میں شریک کیا جولازمہ اتفاق و اتحاد ہے جیسا کہ اوپر معلوم ہوا۔ اور آپ نے بھی جو
علم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سینہ بسینہ پہونچا تھا وقت پر ظاہر فرمادیا کہ خواہ آپ
جائیں یا لشکر بھیجیں آپ ہی کی فتح ہے۔ اب کہئے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عام
طور پر مجمعوں میں یہ خبر دی تھی کہ کسریٰ اور قیصر کے خزانے مسلمانوں کو غنیمت میں ملیں گے
اور خاص طور پر علی کرم اللہ وجہہ کو فرمایا کہ یہ ملک ابوبکرؓ کے ہاتھ پر فتح ہونگے تو اب آپکی
خلافت میں کونسی کسر رہگئی شاید یہاں یہ کہا جائیگا کہ سپہ سالاری کی حیثیت سے یہ فتوحات
ہونگے مگر یہ احتمال علی کرم اللہ وجہہ کے قول سے ثابت نہیں ہوسکتا اسلئے کہ آپ نے
صاف بیان کر دیا جس کا حال آیندہ معلوم ہوگا کہ ان لوگوں نے ابوبکرؓ کے ہاتھ پر بیعت کی

جن کو خلیفہ بنانے کا حق ہے۔

اہل فہم سمجھ سکتے ہیں کہ یہ خبر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے علی کرم اللہ وجہہ کو کیوں دی تھی اور اس علم سینہ بسینہ کے لئے آپکی کیا خصوصیت تھی۔ بات یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کو منظور تھا کہ مسئلہ خلافت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں راز سربستہ رہے اور کسی کی دل شکنی نہ ہو کیونکہ اگر حضرت کسی ایک کو اپنے اہل بیت یا رفقا یا جانبازوں میں سے اپنا جانشین مقرر فرماتے تو بہتوں کی دل شکنی ہوتی۔ مثلاً علی کرم اللہ وجہہ کو مقرر فرماتے تو اوروں کو یہ کہنے کا موقع ملجاتا کہ ان تمام جانفشانیوں سے حضرت کا مقصود معاذ اللہ یہی تھا کہ اپنے خاندان میں سلطنت قائم کر جائیں جیسے دنیا داروں کا دستور ہے اگر نبوت آسمانی ہوتی تو دنیا داروں کی طرح اہل خاندان کی خصوصیت نہ ہوتی علی ہذا القیاس جسکو مقرر فرماتے لوگوں کی دل شکنی ضرور ہوتی کیونکہ آدمی کی طبیعت میں حسد اور تعلی کا مادہ رکھا گیا ہے ہر چند فیضان صحبت سے صحابہ رذائل نفسانیہ سے دور اور پاک ہوگئے تھے مگر باقتضائے بشریت صفات بشریہ کا کبھی کبھی بعض صحابہ میں دورہ ہو بھی جاتا تھا اسی وجہ سے کسی صحابی کو اہل سنت معصوم نہیں سمجھتے اور اگر اصحاب نفوس قدسیہ کی دل شکنی نہ بھی ہوتی تو انکے قرابتداروں اور قبیلے والوں کی ہوتی۔ بہرحال آپ کی مروت اور مصلحت کا اقتضا یہی تھا کہ یہ مسئلہ وفات شریف تک مبہم رہے۔ مگر چونکہ علم الٰہی میں یہ امر طے شدہ تھا کہ ابو بکرؓ خلیفہ ہونگے جسکی اطلاع آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تھی آپ کو منظور ہوا کہ امت کو بھی اسکی اطلاع رہے چونکہ علی کرم اللہ وجہہ بحسب حدیث شریف امام الاولیا ہیں اور اولیا اللہ کو اخفاء راز کی خاص طور پر تعلیم دیجاتی ہے اسوجہ سے یا کسی اور وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس علم کیلئے آپکو مخصوص فرمایا اور آپنے بھی

اس رازِ سربستہ کو اسوقت تک مخفی رکھا کہ اسکے ظاہر کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی کیونکہ اگر اسوقت بھی ظاہر نہ فرماتے تو ممکن تھا کہ قلت اہل اسلام اور کثرت اعدار کی وجہ سے ہمتیں پست ہو جائیں۔ غرضکہ علی کرم اللہ وجہہ ابوبکرؓ کی خلافت اور اسکے لوازم یعنے اشاعت اسلام کو جو انکے ہاتھ پر ہونیوالی تھی بخوبی جانتے تھے اسی وجہ سے آپنے کبھی دعوے خلافت نہیں کیا ورنہ ممکن نہ تھا کہ آپ اپنے اسلامی حق کو چھوڑ بیٹھتے یا آپ سے مقابلہ کرکے کوئی اسکو چھین سکتا کیونکہ آپ میں ایسے اسباب جمع تھے کہ انکے مقابلہ میں کسی کا سر بر ہونا ہرگز قرین قیاس نہیں۔ بہرحال روایت سابقہ سے ثابت ہے کہ علی کرم وجہہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے معلوم کرا دیا تھا کہ ابوبکرؓ کو ہر موقع میں فتح ہوگی اسی قسم کی یہ روایت بھی ہے جو ناسخ التواریخ کی جلد دوم صفحہ (۱۸۹) میں ہے کہ جب ابوبکرؓ نے دیکھا کہ مہاجرین وانصار روم کے مقابلہ کیلئے کافی نہیں سرداران یمن کے نام احکام بھیجے کہ میں چاہتا ہوں کہ آپ لوگوں کو شام کی طرف اس غرض سے روانہ کروں کہ سرکشوں سے اس ملک کو خالی کرائیں جن کو اسلام کی اشاعت میں کوشش وجانفشانی کا خیال ہو وہ اپنی خوشی سے یہاں آجائیں یہ احکام انسؓ کو دیکر فرمایا کہ بہت جلد سرداران یمن کو پہنچا کر انکے جواب لے آؤ چنانچہ انھوں نے تھوڑے عرصہ میں واپس آکر کہا کہ سب آنے کو تیار ہیں چنانچہ دوسرے ہی روز سے قبیلوں کی آمد شروع ہوگئی پہلے قبیلہ حمیر سامان جنگ سے نہایت آراستہ وپیراستہ ہوکر مع زن وفرزند پہنچا۔ ابوبکرؓ انکو دیکھ کر نہایت خوش ہوے اور فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ جب قبیلہ حمیر اپنے عورتوں اور بچوں کو لیکر آئیں تو مسلمانوں کو خوش خبری دو کہ خدا تعالی انکو فتح دیگا۔ علی کرم اللہ وجہہ نے بھی اس حدیث کی تصدیق کی اور فرمایا کہ ایسا ہی ارشاد نبوی ہوا ہے انتہی۔

ہر چند اسمیں ابوبکرؓ کی خلافت کا ذکر نہیں مگر نشانی ایسی تبلائی گئی کہ اس سے آپکی خلافت ثابت ہوتی ہے اس لئے کہ قبیلہ حمیر کو کیا ضرورت تھی کہ یمن سے روم کو فتح کرنے جاتے جب تک کوئی خلیفۂ وقت انکو حکم نہ کرے اور دوسرے قبیلوں کی حمایت اور مدد نہ ہو جسکے لئے خلیفۂ وقت کی تائید اور سرپرستی کی اشد ضرورت ہے۔

غرضکہ یہ عظیم الشان کام بغیر خلیفۂ وقت کے ممکن نہیں پھر انکے اجتماع کو مسلمانوں کے فتح کی علامت قرار دی جس کی وجہ سے ابوبکرؓ خوش ہوئے اور علی کرم اللہ وجہہ نے بھی آپکی تصدیق کی جب صدیق اکبرؓ کے حکم پر اُنکا آنا اور علیؓ کی تصدیق سے انکا اجتماع علامت فتح ہونا مسلمانوں پر ثابت ہوگیا ہوگا تو ایمانی راہ سے صحابہ کو ابوبکرؓ کی خلافت حقہ ہونے پر کس قدر وثوق ہوا ہوگا۔ پھر جب اسکا مشاہدہ بھی ہوگیا کہ لاکھوں کے مقابلہ میں تھوڑے تھوڑے صحابہ مظفر و منصور ہوتے گئے تو اس مشاہدے کے بعد صدیق اکبرؓ کی اطاعت خدا و رسول کی اطاعت اور باعث خوشنودی خدا و رسول ہونے میں کس کو کلام ہوگا اسی وجہ سے جس طرح صحابہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر جان دینے کو شہادت اور باعث حیات ابدی سمجھے تھے ابوبکرؓ کے حکم پر بھی یہی سمجھتے تھے۔ دیکھئے باوجودیکہ آپکی ابتدائی خلافت یعنے سلہ ۱۱ ھ سے کبھی آسایش نہ ملی حضرت کے انتقال کے ساتھ تقریباً کل ملک عرب مرتد ہوگیا تھا صرف اہل حرمین مسلمان رہگئے تھے جیسا کہ ناسخ التواریخ کی جلد دوم صفحہ (۱۱۱) میں لکھا ہے اور مسیلمہ کذاب وطلحہ و سجاح وغیرہ مدعیان نبوت ہزاروں کی فوج لیکر مسلمانوں کے مقابلہ میں کھڑے ہوگئے چند مہاجرین و انصار نے جن کے نسبت باشندگان ملک عرب کے ساتھ عشر عشیر کی بھی نہیں ان سرکشوں اور ہر ایک قبیلے کے ساتھ نہایت سرگرمی سے مقابلہ کیا اور سب کو ہزیمت دیکر ازسرنو تمام ملک عرب پر قبضہ کیا جسمیں تقریباً دو سال شبانہ روز آتش حرب

مشتغل ہی اس سے ہنوز فراغت نہیں ہوئی تھی کہ صدیق اکبرؓ نے حکم دیدیا کہ ملک عراق پر
چڑھائی کیجائے اور اسکے ساتھ ہی ملک شام اور روم پر فوج کشی کے لئے آمادہ ہوگئے اسوقت
کسی نے بھی نہ کہا کہ حضرت جنگ عرب سے ابتک ہمارے زخم بھی چنگے نہیں ہوئے کہ آپ ایسی سلطنتوں کے
مقابلہ میں ہمیں بھیجتے ہو کہ ہمکو انکے ساتھ کسی بات میں کوئی مناسبت نہیں۔ انکے افواج
قاہرہ کے مقابلہ میں ہمارا لشکر عشر عشیر بھی نہیں انکی طرف سامان حرب ضرورت سے زیادہ ہے
ادھر بے سامانی انتہا کی حق تعالی فرماتا ہے واعدوا لهم ما استطعتم من قوة
ومن رباط الخيل ترهبون به عدو الله وعدوكم یعنے اے مسلمانو جہانتک
تم سے ہوسکے سامان جنگ اور گھوڑے تیار کر رکھو جس سے تمھارا خوف کفار کو ہو" بجائے
اسکے کہ ہمارا خوف اون پر طاری ہو ہم پر وہ ہنسیں گے پھر خدا تعالی نے ہم لوگوں پر رحم کرکے
فرمایا الآن خفف الله عليكم وعلم ان فيكم ضعفا فان يكن منكم مائة
صابرة يغلبوا مائتين یعنے دو کے مقابلہ میں ایک لڑسکتا ہے اور آپ ایک کو
سو کے مقابلہ میں بھیجنا چاہتے ہیں جو بالکل قرآن کے خلاف ہے۔ غرضکہ خلیفہ وقت کے
حکم کو وہ خدا و رسول کا حکم سمجھے تھے اگر ذرا بھی آپکی خلافت میں شک ہوتا تو اس خطر جان کے
موقعہ میں ہرگز حکم نہ مانتے اور مذکورہ نصوص قطعیہ پیش کرکے پہلو تہی کرلیتے اور علی کرم اللہ وجہہ
اگر آپ کی خلافت کو حق نہ سمجھتے تو ضرور فرماتے کہ خلیفہ ناجایز کے حکم پر جان دینی ہرگز
جائز نہیں اگر برملا کہنے میں تامل تھا تو کم سے کم اپنے احباب کو تو کسی طرح روک لیتے حالانکہ جو
حضرات آپکے جان نثار سمجھے جاتے ہیں وہ بھی ان معرکوں میں شریک تھے بہرحال صحابہ
صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جانشین سمجھتے اور نہایت تعظیم
کرتے تھے چنانچہ ناسخ التواریخ کی جلد دوم صفحہ (۱۶۰) میں لکھا ہے کہ جب ابوبکرؓ نے یزید ابن

ابی سفیان کو ایک ہزار لشکر کا افسر بنا کر شام کو بھیجا اور وہ سب سوار ہو کر روانہ ہوئے تو آپ انکی مشایعت کی غرض سے پیادہ پا ساتھ ساتھ چلنے لگے انھوں نے کہا حضرت ہم لوگ خدا کے غضب سے ڈرتے ہیں یا تو آپ بھی سوار ہو جائیں یا ہمیں پیادہ ہونے کی اجازت دیں آپنے فرمایا میں خدا کی راہ میں چل رہا ہوں انتہیٰ۔ دیکھئے ان حضرات کا کیسا قوی اعتقاد تھا کہ ادنیٰ سی بے ادبی کو بھی باعث غضب الٰہی سمجھتے تھے اور ابو بکرؓ کی کس قدر وقعت تھی کہ انکے پیادہ پا چلنے میں سواروں نے غضب الٰہی کا خیال کر لیا تھا۔ جس طرح ابو بکرؓ کے ساتھ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو خلوص تھا اسی طرح حضرت عمرؓ کے ساتھ بھی تھا جیسا کہ واقعات ذیل سے ثابت ہے۔

ناسخ التواریخ کی جلد دوم صفحہ (۲۷۸) میں لکھا کہ جب مسلمانوں نے حمص تک فتح کر لیا اور بڑے بڑے نامی افسروں کو قتل کیا تو ہرقل نے چاہا کہ سلطنت کی پوری قوت عرب کے مقابلہ میں صرف کرے چنانچہ اپنے ملک کے پانچ بادشاہوں کو بلا کر آٹھ لاکھ ساٹھ ہزار فوج انکے ماتحتی میں دی اور نہایت عار دلا کر مسلمانوں کے مقابلہ میں روانہ کیا اور اسلامی فوج وہی شکستہ حال زخمی جو روزانہ جنگ کرتی ہوئی قدم بڑھاتے جاتی تھی کل تخمیناً تیس ہزار کی تھی ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے کمال پریشانی سے حالت موجودہ کو لکھ کر خلیفۂ وقت عمرؓ سے کمکی فوج کی درخواست کی جب انکا خط پڑھا گیا تو عمر رضی اللہ عنہ نے کہا لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔ اسکے بعد صحابہ سے خطاب کر کے کہا اس موقع میں آپ صاحبوں کی کیا رائے ہے اگر کہئے تو میں خود مسلمانوں کو لیکر انکی مدد کو جاؤں علیؑ نے فرمایا کہ خدا تعالیٰ مسلمانوں کی حفاظت اور انکی فتح کا کفیل ہو گیا ہے آپکا جانا مناسب نہیں۔

نہج البلاغہ صفحہ (۱۳۰) میں مذکور ہے کہ جب عمرؓ نے روم کے مجاہدین کے ہمراہ اپنی ذات سے

جاناچاہا تو علیؑ نے کہا انک متی تسر الی ھذا العدو بنفسک فتلقھم فتنکب
لاتکن للمسلمین کانفۃ دون اقصی بلادھم لیس بعدک مرجع یرجعون
الیہ فابعث الیھم رجلاً مجرباً واحضر معہ اھل البلاء والنصیحۃ
فان اظھر اللہ فذاک ما تحب وان تکن الاخری کنت ردءاً للناس
ومثابۃ للمسلمین یعنے اگر آپ اپنی ذات سے کفار کی طرف جائیں اور خدانخواستہ
آپکو ہزیمت ہو تو پھر آپ سے مسلمانوں کا بچاؤ مشکل ہے اور آپکے بعد انکا مرجع نہو گا جسکے
طرف وہ رجوع کریں اسلئے کسی تجربہ کار شخص کو روانہ کیجئے اگر اسکو فتح اور غلبہ ہوا تو آپ کا
مقصود برآیا ورنہ آپ اونکی مدد کروگے اور ملجا و ماوی ہوگے۔
دیکھئے اس سے کیسی محبت اور خیر خواہی آپ کی ظاہر ہوتی ہے اگر معاذ اللہ آپکے دل میں
ذرہ برابر بھی کدورت ہوتی تو عمرؓ کو روانہ کردینے کا اچھا موقعہ تھا کیونکہ انکا بھی خیال جانے پر
آگیا تھا۔ آپکا کلام برکمال اقتدار اور فصاحت و بلاغت اظہر من الشمس ہے اکا دتوجیہ ایسی بیان
کردیتے کہ عمرؓ کا وہ خیال مستحکم ہوجاتا عقلاء ایسے مواقع میں رائے دیکر اپنے کام نکالا کرتے ہیں چنانچہ
ناسخ التواریخ میں لکھا ہے کہ یکبار علی کرم اللہ وجہہ معاویہؓ کی فوج کو چیرتے پھاڑتے انکے خیمہ تک پہنچ گئے
اور بہ آواز بلند فرمایا کہ اے معاویہ بہتر یہ ہوگا کہ ہم تم اپنی ذاتوں سے مقابلہ اور معرکہ آزمائی
کرلیں جو غالب ہو اسکی فتح سمجھی جائے معاویہ یہ سن کر چپ ہوگئے عمرو ابن عاصؓ نے کہا اے
معاویہ علیؓ بات تو ٹھیک کہتے ہیں۔ انھوں نے کہا میں جانتا ہوں کہ تم چاہتے ہو انکے مقابلہ
میں میرا خاتمہ ہوجائے تعجب نہیں کہ عمرو بن عاص کو اس رائے سے وہی مقصود ہو جو معاویہؓ نے
خیال کیا تھا غرضکہ علی کرم اللہ وجہہ کو رائے دینے کا اچھا موقعہ مل گیا تھا کہ عمر رضی اللہ عنہ کو
دارالسلطنت سے روانہ کرکے کوئی کارروائی کرتے مگر انکو اسکا خیال ہی نہ تھا اس لئے سچی

خیرخواہی اور کمال خلوص سے یہ رائے دی کہ آپ کا جانا مناسب نہیں اس سے اہل انصاف پر منکشف ہو سکتا ہے کہ ان حضرات میں خلوص تھا یا مخالفت۔

ناسخ التواریخ کی جلد دوم میں لکھا ہے کہ جب مسلمانوں نے لشکر عجم کو ہزیمت دیکر ایک حصہ ملک پر قبضہ کرلیا اور بڑے بڑے سردار اُنکے مارے گئے اور بہت سی غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ آئی تو یزدگرد کو اسکا سخت صدمہ ہوا اور تیس ہزار کا لشکر جنکے ساتھ تیس جنگی ہاتھی تھے میدان کارزار میں بھیجا اور ایسی سخت لڑائی ہوئی کہ مسلمانوں کو ہزیمت ہوگئی اور مثنی ابن حارثہ جو لشکر اسلام کے سپہ سالار تھے انکے ساتھ صرف تین ہزار آدمی رہگئے انھوں نے عمرؓ سے کمک طلب کی آپنے جریر بن عبداللہ بجلی کو مع لشکر مناسب روانہ کیا ان دونوں سپہ سالاروں یعنے مثنی اور جریر میں ناچاقی ہوگئی مثنے کہتے تھے کہ میں سابق سے سپہ سالار ہوں تمکو میری اطاعت چاہیئے جریر کہتے تھے کہ مجھے خلیفہ وقت نے مستقل طور پر روانہ کیا ہے میں تمھاری اطاعت نہ کرونگا یہ مخالفت بہت کچھ طول کھینچی۔ جب عمرؓ کو اسکی خبر ہوئی اور دیکھا کہ مخالفت باہمی کا انجام بُرا ہے صحابہ سے مشورت کی سب نے کہا کہ اسوقت آپ ہی کا وہاں جانا مناسب ہے مگر علی کرم اللہ وجہہٗ نے فرمایا یہ رائے قرین صواب نہیں مناسب ہے کہ قدیم مہاجرین میں سے یا اُن انصار میں سے جو جنگ بدر میں شریک تھے کسی کو منتخب فرماکر سپہ سالار مقرر کیجئے عمرؓ نے کہا آپ ہی انتخاب کیجئے آپ نے کہا سعد بن ابی وقاص اس کام کیلئے مناسب ہیں چنانچہ انھیں کو آپنے سپہ سالار بناکر روانہ کیا اور سب کا اتفاق ہوگیا انتہیٰ۔

دیکھئے اس موقع میں بھی کل صحابہ کی رائے تھی کہ عمرؓ اپنی ذات سے جائیں مگر علی کرم اللہ وجہہٗ کو آپکی تکلیف گوارا نہ ہوئی اور ایسی تدبیر بتائی کہ مقصود حاصل ہوگیا۔ اہل انصاف سمجھ سکتے ہیں کہ یہ قرائن مخالفت کے ہیں یا اتحاد کے۔

ناسخ التواریخ جلد دویم صفحہ (۳۰۶) میں لکھا ہے کہ جب یرموک فتح ہوا جہاں ایک لاکھ پانچ ہزار
کفار مارے گئے اور چالیس ہزار زندہ گرفتار ہوے اور کفار کے حوصلے پست ہوگئے ابوعبیدہ
ابن جراح نے سرداران لشکر سے مشورہ کیا کہ اب قیساریہ پر چڑھائی کیجائے یا بیت المقدس پر
رائے یہ قرار پائی کہ عمرؓ اس باب میں جو حکم کریں اسکی تعمیل کیجائے چنانچہ ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ
نے آپکو لکھا آپنے یہ مسئلہ شورے میں پیش کیا علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ بیت المقدس کو لشکر
روانہ کیجئے اسکے بعد قیساریہ بھی فتح ہوجائیگا کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکی خبر مجھے
دی ہے عمرؓ نے علی رضی اللہ عنہ کی رائے اور حدیث کو لکھکر یہ حکم لکھا کہ بیت المقدس کا ارادہ
کرو انشاء اللہ تعالی فتح ہوجائیگی انتہی۔

روایت فتح بیت المقدس

اس قسم کی صدہا روایتوں سے ثابت ہے کہ آیندہ ہونیوالے واقعات آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم کے پیش نظر تھے اور جنکو جو مناسب تھا انکو خبر دی۔ علیؓ نے عمرؓ سے جو کہا کہ بیت المقدس کو
لشکر روانہ کیجئے اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا کہ تم لشکر
روانہ کرو جس سے آپکی خلافت ثابت ہوتی اسیوجہ سے آپنے خلفاء کے احکام میں دست اندازی
نہیں کی صرف رائے دیتے یا کوئی حدیث معلوم ہوتی تو نہایت خلوص سے بیان فرمادیتے۔

ناسخ التواریخ جلد دوم صفحہ (۳۰۹) میں لکھا ہے کہ جب قتال وجدال کے بعد بیت المقدس
کا محاصرہ کرلیا گیا تو کفار نے کہا کہ جب تک خلیفہ وقت عمرؓ یہاں آکر بذات خود ہم سے معاہدہ
نہ کریں۔ ہم قلعہ خالی نہ کرینگے۔ ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ بغیر خونریزی کے فتح ہوجاتی ہے
اسلیے عمرؓ کو انکی درخواست پر مطلع کیا آپنے صحابہ سے اس باب میں مشورت کی عثمانؓ نے کہا کہ
آپکے جانے میں کفار کو نخوت پیدا ہوگی اور نہ جانے میں جس طرح دوسرے ملک اور قلعے فتح ہوے
وہ بھی فتح ہوجائیگا جانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ علی کرم اللہ وجہہ نے کہا کہ کفار نے لڑائی سے ہاتھ

روک کر جو آپکو طلب کیا ہے یہ فتح کی علامت ہے اگر آپ جانے میں توقف کریں تو صلح میں تاخیر ہوگی
اور تعجب نہیں کہ بہت خونریزی ہو عمرؓ نے آپ ہی کی رائے کو پسند کیا اور روانہ ہوگئے انتہیٰ
ہر چند آپ کی یہ رائے اُن رایوں کے خلاف میں تھی جو آپ ہمیشہ دیا کرتے تھے مگر چونکہ آپکا
صدق اور خیر خواہی مسلم تھی اسلئے عمر رضی اللہ عنہ نے آپ ہی کی رائے پر عمل کیا۔
ان قرائن سے یہ بات ثابت ہے کہ ان حضرات میں باہمی ملال کا جو خیال کیا جاتا ہے
وہ بے اصل محض ہے۔

ناسخ التواریخ جلد دوم صفحہ ۳۱۲ میں ہے کہ عمرؓ نے ۱۸ھ میں یزید بن ابی سفیان کے ہمراہ چھ ہزار
کا لشکر دیکر قیساریہ پر بھیجا قسطنطین ہرقل کا بیٹا جو وہاں رہتا تھا فوج اسلام کی آمد دیکھ کر اپنے باپ سے
مدد طلب کی باوجودیکہ خود اسکے پاس اسّی ہزار کا لشکر قیساریہ میں موجود تھا۔ ہرقل نے بیس ہزار
فوج جرار مع غلہ وغیرہ بھیجا جس سے ایک لاکھ فوج کفار قیساریہ میں جمع ہوگئی۔ یزید رضی اللہ عنہ
نے عمر رضی اللہ عنہ کو حالت موجودہ کی خبر دیکر کمک کی درخواست کی جب انکا نامہ پڑھا گیا علی
کرم اللہ وجہہ نے فرمایا قیساریہ عنقریب انشاء اللہ تعالیٰ فتح ہو جائیگا عمرؓ نے صرف تین ہزار فوج کا
اضافہ کیا اور اسی سے قیساریہ کو مسلمانوں نے فتح کر لیا انتہیٰ۔

علی کرم اللہ وجہہ نے خواہ کشف سے معلوم کیا ہو یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکی
اطلاع آپکو دی ہو بہر حال فکر کے وقت تسکین دینی کمال محبت کی دلیل ہے اور عمرؓ نے بھی اسی اطمینان
پر صرف تین ہزار فوج کا اضافہ کیا ورنہ کہاں لاکھ لشکر تازہ دم محفوظ مقامات میں اور کہاں نو ہزار
شکستہ حال کیونکہ یہ وہی لشکر ہے جو لاکھوں کا مقابلہ کرتا ہوا یہاں تک پہنچا تھا۔ معلوم نہیں اسمیں
زخمی اور تھکے ہوئے کتنے ہونگے۔

ناسخ التواریخ جلد دوم صفحہ ۳۹۵ میں لکھا ہے کہ جب سعد بن ابی وقاص کے ہاتھ پر بہت سا

ملک عجم فتح ہوا تمام عجم پر انکا رعب چھا گیا تھا۔ پھر جب کسی واقعہ میں عمر رضی اللہ عنہ نے انکو حکومت
سے معزول کیا اور یہ خبر یزدگرد بن شہریار کو پہنچے تو اوسکا حوصلہ بڑھ گیا اور خیال کیا کہ اب مسلمانوں
کا مقابلہ آسان ہے اسلئے ملک کے افسروں کو افواج فراہم کرنے کا حکم دیا اور قسم کھائی کہ جبتک
تمام عرب کو تباہ کر کے بادشاہ اسلام کو گرفتار نہ کر لوں جنگ سے باز نہ آؤنگا چنانچہ ڈیڑھ لاکھ فوج
اور ستر سے زیادہ ہاتھی نہاوند میں جمع کئے عمار بن یاسر جو اسوقت حاکم کوفہ تھے انھوں نے عمرؓ
کو ان واقعات کی خبر دی عمرؓ نے صحابہ سے مشورہ کیا ہر ایک نے اپنی رائے ظاہر کی عثمان رضی اللہ عنہ
نے کہا کہ اسوقت آپ مسلمانوں کو لیکر کوفہ میں اقامت فرما دیں تو بہتر ہوگا۔ عمرؓ نے علی کرم اللہ وجہہ
سے پوچھا کہ آپکی کیا رائے ہے فرمایا کہ ہمارے دین کے معاملہ کو فوج کی قلت و کثرت سے کوئی تعلق
نہیں یہ اللہ کا دین ہے جسکو اس نے ظاہر اور غالب کیا اور یہ خدا تعالی کا لشکر ہے جسکو اسنے
جمع کر کے اسکی مدد کی چنانچہ جہانتک پہنچا ہے ظاہر ہے۔ ہماری نظر اوسکے وعدہ پر ہے وہ بیشک اپنا
وعدہ پورا اور اپنے لشکر کی مدد فرمائیگا۔ قیم یعنے امیر کی مثال ایسی ہے جیسے موتیوں کی لڑی کی گرہ
کہ اگر وہ کھل جائے تو سب دانے متفرق ہو جاتے ہیں جن کا پھر جمع ہونا مشکل ہے۔ اگرچہ عرب آج کے
دن گنتی میں کم ہیں مگر اسلام اور اتفاق کی وجہ سے بہت ہیں آپ قطب بنے رہئے جس طرح کہ چکی
کیلی کے اطراف گھومتی ہے اسی طرح اس چکی کو آپ اپنے اطراف گھمائیے اگر آپ مدینہ سے نکلیں تو
عرب ہر طرف سے ٹوٹ پڑینگے جس کا انتظام دشوار ہوگا اور عجم آپکی تاک میں لگے رہیں گے اور
یہ خیال کرینگے کہ آپ اصل عرب ہیں آپ پر غلبہ ہوتے ہی بیفکری ہو جائیگی۔ اور یہ جو خیال کیا جاتا ہے
کہ وہ مسلمانوں پر چڑھائی کرینگے سو یہ نہ ہوگا کیونکہ جس طرح آپ اس بات کو مکروہ سمجھتے ہیں خدا تعالی نے
اس سے زیادہ مکروہ سمجھا ہے۔ رہا یہ کہ انکی فوج بہت ہے سو ہماری لڑائیاں اور فتوحات جتنے
ہوے انمیں فوج کی کونسی کثرت تھی سوائے اسکے کہ صرف خدا تعالی کی مدد تھی انتہی۔ علی کرم اللہ وجہہ

نے جو اس موقع میں تقریر کی نہج البلاغہ صفحہ (۱۳۶) میں بھی منقول ہے جسکی عبارت یہ ہے ان ھذا
الامر لم یکن نصرہ ولا خذلانہ بکثرۃ ولا قلۃ وھو دین اللہ الذی اظھرہ وجندہ
اعدہ وامدہ حتی بلغ ما بلغ وطلع حیثما طلع ونحن علی موعود من اللہ واللہ
منجز وعدہ وناصر جندہ ومکان القیم بالامر مکان النظام من الخرز
یجمعہ ویضمہ فاذا انقطع النظام تفرق الخرز وذھب ثم لم یجتمع بحذافیرہ
ابدا والعرب الیوم وان کانوا قلیلا فھم کثیرون بالاسلام
عزیزون بالاجتماع فکن قطبا واستدر الرحی بالعرب واصلھم دونک
نار الحرب فانک ان شخصت من ھذہ الارض انتقضت علیک العرب
من اطرافھا واقطارھا حتی یکون ما تدع وراءک من العورات اھم
الیک مما بین یدیک۔ انتہی دیکھئے کس صفائی اور خلوص سے آپنے عمرؓ کو قیم قرار دیا
جسکے معنی سید اور سیاست کرنیوالے کے ہیں جیسا کہ لسان العرب میں لکھا ہے۔ اور حدیث شریف
میں ہے ما افلح قوم قیمتھم امراۃ یعنے جس قوم کی سردار عورت ہو انکو فلاح نہیں اور قیم شوہر
کو بھی کہتے ہیں اسی وجہ سے کہ عورت کا حاکم و فرمانروا ہے اگر علی کرم اللہ وجہہ کے دل میں کسی قسم کا
غبار اور عمرؓ کی خلافت سے انکار ہوتا تو اس موقع میں ان الفاظ کو استعمال کرنے کی کوئی ضرورت
نہ تھی اگر سچی خیر خواہانہ رائے دینے کی ضرورت تھی تو صرف اتنا ہی فرمادینا کافی تھا کہ ہماری
رائے تو یہ ہے کہ آپ مدینہ سے باہر نہ جائیں اسی مقام میں ناسخ التواریخ میں لکھا ہے کہ علی علیہ السلام
بعقیدت شیعی اگرچہ خلافت عمرؓ را از در غصب میدانست لیکن در کارہا و لشکر کشیہا امر را
رعایت می فرمود و رائے نیکو میزد چہ غلبہ لشکر اسلام ازیں کم نبود کہ کافران بوحدانیت خدا و نبوت
پیغمبر اقرار میداوند و راہ نکوچہ سلامت نزدیک میکردند انتہی۔

اعزاز فتح بیرون عرب

اعزاز اسلام
صلاح در رائے عمر

مطلب یہ کہ علی کرم اللہ وجہہ عمرؓ کو غاصب خلافت تو جانتے تھے مگر اس خیال سے کہ غلبۂ اسلام باعث اشاعت توحید و نبوت ہے عمدہ رائیں دیا کرتے تھے۔ فی الحقیقت اشاعت توحید اسلام ایک عمدہ چیز ہے اسکے مقابلہ میں خلافت کا جھگڑا کوئی چیز نہیں مگر جس طرح آپ عمرؓ کی حکومت کو تسلیم کرکے نیک رائیں دیا کرتے تھے معاویہؓ کے وقت ایسا نہیں کیا حالانکہ انکا بھی مقصود ظاہرا اشاعت اسلام ہی تھا کیونکہ کل کتب تواریخ بلکہ خود ناسخ التواریخ سے ثابت ہے کہ فتوحات شام کے وقت وہ لشکر اسلام میں شریک تھے اور انکے زمانے میں بھی فتوحات ہوئے اگر علی کرم اللہ وجہہ اون سے فرمادیتے کہ جس طرح میں عمرؓ کو اشاعت اسلام کے باب میں نیک رائیں دیا کرتا تھا تمھیں بھی دونگا تو وہ بسر و چشم قبول کرتے اور کبھی جنگ و جدال کی نوبت ہی نہ آتی مگر یہ ممکن نہ تھا کیونکہ علی کرم اللہ وجہہ جہاں اشاعت اسلام کو ضروری سمجھتے تھے خلیفۂ وقت کی اہلیت کو بھی ضروری سمجھتے تھے جس کے ذریعہ سے اشاعت اسلام ہو اسی وجہ سے اشاعت اسلام کو آپنے کئی سال موقوف رکھا اور خلافت حقہ کے قائم کرنے میں مصروف رہے۔

علی کرم اللہ وجہہ کی شجاعت اور راست بازی اس درجہ کی تھی کہ دینی کاموں میں کسی خیال کا اثر آپ پر نہیں پڑتا تھا اور نہ کبھی پولیٹکل خیالات آپکے نزدیک آنے پاتے تھے۔ دیکھئے خلافت کے ساتھ ہی آپنے عثمانؓ کے قرابتداروں کو جو حکومت کی اہلیت نہیں رکھتے تھے معزول کرنا شروع کردیا حالانکہ آپکے خیرخواہوں نے اس باب میں بہت کچھ کلام کیا مگر آپنے کسی کی نہ مانی مغیرہ بن شعبہ نے بہت کچھ کہا کہ حضرت اس وقت معاویہؓ کو چھیڑنا مناسب نہیں اگر بالفعل انکو شام پر بحال رکھیں تو پھر قرابتداران عثمانؓ سے کچھ خوف نہیں آپنے فرمایا خلاف شریعت میں کوئی کام نہ کرونگا جب تک وہ بیعت نہ کریں انکو نہ چھوڑونگا اس قسم کے اور بہت سے واقعات ناسخ التواریخ وغیرہ میں مذکور ہیں جن سے صاف ظاہر ہے کہ جو کچھ آپکے دل میں ہوتا اسکو علانیہ

فرما دیتے کسی کے خوف سے چھپاتے نہ تھے غرضکہ آپنے عمرؓ کو جو تمیم وغیرہ کہا وہ آپ کی دلی بات تھی تصنع اور تقیہ وغیرہ کو اسمیں کوئی دخل نہ تھا۔ اور عمرؓ نے بھی آپ ہی کی رائے پسند کی اسکے بعد پوچھا کہ جو لشکر روانہ کیا جائے اسکی امارت کس کو دینا چاہیے فرمایا کہ نعمان مزنی اسکے لائق ہیں آپنے اونھیں کو سپہ سالار مقرر فرمایا۔ اہل انصاف سمجھ سکتے ہیں کہ ان معاملات سے کسقدر باہمی اخلاص اور ارتباط ثابت ہوتا ہے۔

ناسخ التواریخ کی جلد دوم صفحہ ۲۳۴ میں لکھا ہے کہ جب ابو موسی اشعریؓ نے ملک فارس کو فتح کیا اور غنیمت وغیرہ تقسیم کرکے عمرؓ کو لکھا کہ اب خراسان پر چڑھائی کرنے کی اجازت ہو تو مناسب ہے عمرؓ نے لکھا کہ جو ملک فتح ہوا ہے اسکا ہم شکر کرتے ہیں اسی کا انتظام اچھی طرح رکھو خراسان کی طرف بڑھنے کا خیال دل سے نکالدو اور خود بصرے کو چلے آؤ علی کرم اللہ وجہہ نے کہا آپ یہ کیا لکھ رہے ہیں کہا خراسان ہم سے بہت دور ہے اور وہانکے لوگ خونریز اور عہد شکن ہیں اسلیئے میں وہانکا قصد مناسب نہیں سمجھتا۔ علی کرم اللہ وجہہ نے اس ملک کی تعریف کی اور وہانکے جو وقائع پیش ہونے والے تھے بیان کرکے اس پر چڑھائی کرنے کی رغبت دلائی چنانچہ اسی بنا پر عمرؓ نے احنف ابن قیس کو بارہ ہزار کا لشکر دیکر روانہ فرمایا انتہی۔ کیا بغیر خلوص کے اس قسم کی رائیں دینا قرین قیاس ہے۔

ناسخ التواریخ کی جلد دوم صفحہ ۲۵۲ میں لکھا ہے کہ ۱۷ھ ہجری میں عمرؓ نے جب بلاد عجم کی جنگ سے ہاتھ روکنے کا حکم دیا تو ابو عبیدہ ابن الجراح نے آپ کو لکھا کہ اس مدت میں جو جنگ سے مہلت ملی اور سپاہی آسودہ ہوگئے اور شراب نہایت رغبت اور شوق سے پینے لگے اس باب میں کیا حکم ہے عمرؓ نے علی کرم اللہ وجہہ سے کہا کہ مسلمان شراب سے احتراز نہیں کرتے اور جو حد اسکی مقرر ہے اسکی انھیں کچھ پروا نہیں اس باب میں آپ کی کیا رائے۔ آپنے فرمایا ان السکران اذا سکر ھذی

ترغیب خراسان از علیؑ

تقرر حد خمر از علیؑ

واذا ھذی افترے واذا افترے فعلیہ ثمانون یعنے جب نشہ اثر کرتی ہے تو آدمی بیہودہ بکنے لگتاہے اور جب بیہودہ بکتاہے تو اسمیں افترا کی بھی نوبت پہنچ جاتی ہے اور مفتری کی حد اسّی دُرّے ہیں اسلئے شرب خمر کی بھی حد اسّی دُرّے مقرر کرنا مناسب ہوگا چنانچہ عمرؓ نے انکے جواب میں لکھا کہ اس خط کے پہنچنے کے بعد جو شخص شراب پیوے اسکو اسّی درے مارے جائیں اور ایسے لوگوں کو فقر و فاقہ میں مبتلا رکھو۔ ابو عبیدہؓ نے جب مسلمانوں کو یہ حکم سنایا اور اسکے ساتھ ہی یہ بھی حکم دیا کہ اب حلب پر چڑھائی ہے اسکے بعد انطاکیہ کا قصد کیا جائیگا۔ جہاں خود ہرقل رہتاہے مسلمانوں نے یہ سب سنکر نہایت خوشی سے کہا کہ ہم ہر بات میں اطاعت کرنے کو موجود ہیں انتہی۔

یہاں مسلمانوں کی انقیاد اور فرماں برداری پر غور کرنا چاہئے کہ عمرؓ نے حد شراب اسّی درے مارنے کو لکھا اور کسی نے یہ نہ کہا کہ آخر ہم بھی قرآن پڑھتے ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کی صحبت میں رہ چکے ہیں نہ کہیں قرآن میں حد شرب اسّی درے ہے نہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ مقرر فرمایا حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں بھی اتفاقی طور پر ایسے واقعات ہوجاتے تھے مگر اسّی درے کبھی حضرت نے نہیں مارے۔ بات یہ ہے کہ ان حضرات کا ایمان کامل تھا گو بمقتضائے بشریت کبھی قوائے طبعی غالب ہوجاتے تھے مگر اس حالت کے بعد جب آیۃ شریفہ اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم کا خیال آجاتا تو سوائے اطاعت کے دوسرا خیال نہ آتا عمل کو چھوڑ کے چون چرا کرنا اور باتیں بنانی ضعف ایمان کی دلیل ہے اسلئے وہ اطاعت میں گرم رہے۔ پھر عمرؓ کو انکے ایمان پر کس قدر وثوق تھا کہ بلا تامل علی کرم اللہ وجہہ کی رائے لکھدی اور یہ خیال بھی نہیں کیا کہ ایسی نازک حالت میں کہ کفار کے ملک میں گھرے ہوے ہیں اور مقابلہ ایسے سلاطین سے ہے جنکی شان و شوکت قوت اور تمول تمام دنیا میں مشہور ہے خصوصاً عرب تو قدیم سے

انکا کلمہ ہی پڑھتا تھا ایسے موقع میں صرف حد شرب ہی میں زیادتی نہیں بلکہ اسکے ساتھ یہ بھی حکم لکھدیا کہ ان لوگوں کو فقر و فاقہ میں رکھو جس کا مطلب یہ ہوا کہ انکے پاس مالِ زیادہ ہوگیا ہے وہ چھین لیا جائے۔ انکی جانفشانیوں کے صلہ میں قدر ہوئی سو یہ ہوئی کہ مر مر کے جو مالِ غنیمت حاصل کیا تھا وہ بھی چھین جا رہا ہے اور استحقاق شرعی بھی بالائے طاق ہے آشنا ہونے پر بھی ان حضرات کے لب پر حرف شکایت نہیں بلکہ نہایت خوشی سے جان دینے کو چلے جا رہے ہیں سبحان اللہ یہ اونھیں کے نفوس قدسیہ تھے جو دینی امور میں کیسی ہی سختی کیجائے ملال تک نہیں آتا تھا۔

یہاں تھوڑے سے غور و تامل کی ضرورت ہے کہ جس قوم کے شرابیوں کی یہ حالت ہو تو اس قوم کے متقی لوگوں کا کیا حال ہوگا اب کہئے کہ ہم سے یہ جرأت کیونکر ہو سکے کہ علی کرم اللہ وجہہ کی نسبت یہ خیال کریں کہ خلفائے ثلثہ سے انکو بغض تھا اور جس طرح معمولی لوگ برتاؤ کیا کرتے ہیں معاذ اللہ آپ بھی کیا کرتے تھے اولیاء اللہ کا مقولہ ہے شعر

کفر است در طریقت ما کینہ داشتن	آئین ماست سینہ چو آئینہ داشتن

آپ تو امام الاولیا ہیں آپکے نسبت یہ کیونکر خیال ہو سکے۔

عمرؓ کی عادت تھی کہ بڑے بڑے معاملات میں شورہ کر لیا کرتے تھے کیونکہ حقتعالیٰ مسلمانوں کی تعریف میں فرمایا ہے والذین استجابوا لربھم واقاموا الصلوٰۃ وامرھم شوریٰ بینھم یعنے مسلمانوں کے کام باہمی مشورت سے ہوا کرتے ہیں اور خاص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد ہے کہ شاورھم یعنے صحابہ سے مشورت کیا کیجئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جو علوم لدنی حاصل تھے صحابہ کو کہاں نصیب باوجود اسکے آپکو انسے شوریٰ کرنے کا حکم تھا۔ اسکی وجہ یہی ہے کہ جس سے رائے لیجاتی ہے اسکو خاص قسم کی موافقت اور انس

پیدا ہوتا ہے حق تعالی نے جو آیۂ موصوفہ میں مسلمانوں کی تعریف کی کہ وہ شوریٰ سے کام کیا کرتے ہیں اس سے ظاہر ہے کہ ہر شخص کو خیر خواہانہ رائے دینے کا حکم ہے چنانچہ صحیح حدیث میں وارد ہے الدین النصیحۃ یعنے کامل دین خیر خواہی ہے ۔ غرضکہ آیۂ موصوفہ میں مسلمانوں کا باہمی اتحاد اور موافقت بیان کیگئی اس اتحاد اور موافقت کا یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ اگر کسی سے رائے میں غلطی بھی ہوجائے تو دوسرا اُسکی اصلاح کر دیتا ہے چنانچہ عمرؓ نے ایک بار کسی زانیہ کو رجم کرنے کا حکم دیا اتفاقاً وہ حاملہ تھی علی کرم اللہ وجہہ نے فوراً کہدیا کہ یہ حاملہ ہے اگر اسوقت اسکو رجم کیا جائے تو بچہ بے قصور ضائع ہو جائیگا ۔ عمرؓ نے قبول کرلیا اور فرمایا لولا علی لھلک عمر یہ امرھم شوریٰ بینھم کے برکات تھے کہ علی کرم اللہ وجہہ نے اپنا فرض ادا کیا اور عمرؓ نے اپنی غلطی پر متنبہ ہوکر انکا شکریہ ادا کیا ۔ اس زمانے میں اگر کوئی ایسا واقعہ پیش ہو جائے تو عمر بھر اپنے جلسوں میں بطور افتخار کہا کریں کہ ہم نے ایسے بڑے شخص کو زک دی مگر اُن حضرات کے نفوس قدسیہ اس قسم کی تعلی کو ہرگز گوارا نہیں کرتے تھے دیکھئے کسی روایت میں دیکھا نہ جائیگا کہ علی کرم اللہ وجہہ نے کسی جلسہ میں بطور افتخار فرمایا ہو کہ میں نے عمرؓ کو ایسا ذلیل کیا آخر ان حضرات ہی کی باتیں حدیث کی شکل میں ہم تک پہنچی ہیں اگر ایکبار بھی آپ یہ فرماتے تو ضرور حدیث کی کتابوں میں اسکا ذکر ہوتا اگر اس واقعہ کو نکتہ چینی سمجھا جائے تو پہلے یہ فرض کرنا ہوگا کہ معاذ اللہ ان حضرات کے نفوس بھی ہمارے ہی جیسے رشک ۔ حسد ۔ کینہ اور خود غرضی سے بھرے ہوئے تھے اور حق تعالی نے جو انکی تعریف کی ہے رحماء بینھم اور آیہ شریفہ فاصبحتم بنعمتہ اخوانا نعوذ باللہ خلاف واقع ہے ۔

صاحب ناسخ التواریخ نے اس واقعہ سے یہ نتیجہ نکالا کہ عمرؓ خلافت کے اہل نہ تھے کیونکہ انکی رائے میں خطا پڑی ۔ اور انکی عمر بھر کی جانفشانیاں اور حسن تدابیر جنکو خود ہی نے ذکر کیا ہے سب کو

نسیاً منسیا کر دیا۔

غزوۂ بدر میں جب کفار مکہ گرفتار ہوئے تو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے مشورہ لیا کہ اونکو قتل کیا جائے یا فدیہ لیکر چھوڑ دیا جائے ابو بکر رضی اللہ عنہ نے رائے دی کہ فدیہ لیکر چھوڑ دینا مناسب ہے عمرؓ نے کہا قتل کرنا مناسب ہے اور بعضے صحابہ نے ابو بکرؓ کی رائے پر اتفاق کیا اور بعض نے عمرؓ کی رائے پر اس کے بعد یہ آیۃ شریفہ نازل ہوئی ماکان لنبی ان یکون لہ اسریٰ حتیٰ یثخن فی الارض تریدون عرض الدنیا واللہ یرید الاخرۃ واللہ عزیز حکیم۔ لولا کتاب من اللہ سبق لمسکم فیما اخذتم عذاب عظیم یعنی نبی کو سزاوار نتھا کہ قیدیوں کو مال لیکر چھوڑ دیتے اور قتل نہ کرتے تم لوگ اے صحابہ سامان دنیا چاہتے ہو اور اللہ آخرۃ اور اللہ عزت والا حکمت والا ہے اگر کتاب میں پہلے سے اس قصور کی معافی نہ ہوتی تو جو کچھ تم نے کیا اُس پر بڑا ہی عذاب نازل ہوتا۔

چونکہ فدیہ کی رائے دینے والوں پر اس آیۃ شریفہ سے سخت عتاب الٰہی معلوم ہوا اسوجہ سے حضرتؐ پر اور ابو بکرؓ پر گریہ طاری تھا کہ اتنے میں عمرؓ آئے اور عرض کی یارسول اللہ آپ کیوں رو رہے ہیں فرمایا اگر فدیہ لینے پر عذاب نازل ہوتا تو تمھارے سوائے کوئی نجات نہ پاتا۔ چونکہ عمرؓ ایسے واقعات دیکھ چکے تھے اس لئے اگر کوئی غلطی ہوتی تو فوراً متنبہ ہوجاتے اور خوف الٰہی آپ پر طاری ہوجاتا اسی وجہ سے کہا لولا علی لہلک عمر جس طرح آیۃ شریفہ میں ہے لولا کتاب من اللہ سبق لمسکم فیما اخذتم عذاب عظیم

غرضکہ رائے میں غلطی ہونا کوئی نئی بات نہیں مقتضائے بشریت ہے اس سے کسی مرتبہ میں فرق نہیں آتا۔ غرضکہ جتنے مخالفت کے قصے بیان کئے جاتے ہیں ان تصریحات سے ثابت ہے کہ وہ بے اصل محض ہیں اور اون حضرات میں باہمی کمال درجہ کی محبت تھی۔

تاریخ الاسلام میں مولوی محمد احسان اللہ صاحب نے لکھا ہے کہ علی کرم اللہ وجہہ کے تیرہ[۱۳] صاحبزادے تھے جنکے نام محمد۔ عباس۔ جعفر۔ ابوبکر۔ عمر۔ عثمان وغیرہ تھے۔

اب غور کیجئے کہ اولاد کے نام جن بزرگوں کے رکھے جاتے ہیں اونکی کیسی وقعت اور محبت اوسمیں ملحوظ ہوا کرتی ہے۔ کبھی سنا نہیں گیا کہ کسی نے اپنے لڑکے کا نام فرعون یا ابوجہل رکھا ہو تاریخ الخلفا صفحہ ۸۶ میں متعدد کتب احادیث سے منقول ہے کہ ایک بار عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جمعہ کا خطبہ پڑھ رہے تھے اثنائے خطبہ میں نہایت بلند آواز سے کہا یاساریۃ الجبل یاساریۃ الجبل۔ یاساریۃ الجبل یعنے اے ساریہ پہاڑ کے متصل ہوجاؤ۔ ساریہ ایک شخص تھے جن کو عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لشکر پر امیر بنا کر عجم کی طرف روانہ فرمایا تھا جس کو کئی دن گذرے تھے لوگوں نے دیکھا کہ کہاں ساریہ اور جبل کیسا۔ اور خطبہ کو اوس سے تعلق ہی کیا اس حرکت سے عین خطبہ میں لوگ ایک دوسرے کو دیکھنے لگے اور چہ میگوئیاں شروع ہوگئیں اور یہاں تک نوبت پہونچی کہ بعضوں نے صاف کہہ دیا کہ عمرؓ کو جنون ہوگیا ہے۔ علی کرم اللہ وجہہ نے لوگوں سے فرمایا تم عمرؓ کے معاملات میں دخل نہ دو۔ دیکھ لوگے کہ کوئی بات اسمیں ضرور نکل آئیگی چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ ایک مہینے کے بعد جب اوس لشکر کا ایک شخص فتح کی خوشخبری دینے کو آیا تو اوس نے یہ واقعہ بیان کیا کہ ایک روز ہم لوگ ملک عجم میں جبل نہاوند کے قریب تھے اور ایسا وقت آگیا تھا کہ ہمکو شکست ہوجائے اتنے میں عمرؓ کی آواز آئی کہ یاساریۃ الجبل یہ سنتے ہی ہم نے پہاڑ کو اپنی پیٹھ پر کرلیا اور کفار سے مقابلہ کیا چنانچہ تھوڑے عرصہ میں ہماری فتح ہوگئی انتہی ملخصاً۔

علی کرم اللہ وجہہ چونکہ امام الاولیا تھے جانتے تھے کہ عمرؓ کی خلافت فقط ظاہری نہیں بلکہ خلیفۃ اللہ ہیں۔ دیکھنے کو تو یہاں ہیں مگر عالم پر حکومت کر رہے ہیں دور و نزدیک اون کے

حق میں یکساں ہے ان اسرار کو دوسرے کیا جانیں انھوں نے بے سمجھی سے کھ دیا کہ عمرؓ مجنون ہو گئے
کیونکہ بے تکی باتیں فتور دماغ کی علامت ہیں تعجب نہیں کہ یہ خیال مستقل اور پختہ ہو جاتا اور عمرؓ
معزول کر دیئے جاتے مگر علی کرم اللہ وجہہ نے فوراً روک دیا اور اس فتنہ کو جڑ پکڑنے نہ دیا دیکھئے
اگر آپکو عمرؓ سے مخالفت ہوتی تو یہ عمدہ موقع ہاتھ آگیا تھا لوگوں کے خیالات کو تائید دیتے اور
فرماتے کہ بیشک اس بے تکی بات سے اونکا جنون ثابت ہوتا ہے اسلئے اب وہ قابل خلافت
نہ رہے۔

اس واقعہ کو ناسخ التواریخ کی جلد دوم میں صفحہ (۴۰۱) میں لکھا ہے کہ مع القصہ نیروقت
نحتی غلبہ باعجم افتاد و عرب را بیں بر د ساریہ بن عامر الخثعمی درمیان جنگ ناگاہ آوازے شنید
کہ گوینده گفت یا ساریۃ الجبل الجبل یعنے از جانب کوہ بر حذر باش چوں ساریہ بجانب کوہ نگریست
جماعتے از عجم را دید کہ کمین نہادہ اند پس با مردم خود بر ایشاں حملہ برد و آں جماعت را بعضی بکشت
و برخی را ہزیمت کرد از پس ان عرب دیگر بارہ قوت کردند و از چپ و راست و قلب و جناح
بیکبار جنبش نمودند و حملہ گراں افگندند چنانچہ اعاجم را نیروئے درنگ نماند پس پشت با جنگ کردند
و عرب از دنبال ایشاں بتاختند و ہمی مردم را بخاک انداختند در جنگ نہاوند صد ہزار کس از
عجم کشتہ شد انتہی ملخصاً۔

مصنف علامہ نے نصف واقعہ کو تحریر فرما دیا کہ یا ساریۃ الجبل الجبل کی آواز غیب سے
آئی۔ رہا یہ کہ وہ کلام عمرؓ کا تھا سو کسی مصلحت سے اوسکو حذف کر دیا۔

واقدی رحمۃ اللہ علیہ نے فتوح الشام صفحہ (۲۱۵) میں لکھا ہے کہ جب مسلمانوں نے شام کے
بہت سے شہر فتح کر لئے تو ہرقل گھبرایا اور تمام صوبوں سے فوجیں طلب کر کے دس لاکھ کا لشکر مسلمانوں
کے مقابلہ میں بھیجدیا اور ادھر صرف تینتیس ہزار آدمی تھے ابو عبیدہ ابن الجراح جو سردار لشکر

اسلام تھے انھوں نے عمرؓ کی خدمت میں عرضی لکھی کہ ہرقل کا لشکر اتنا کثیر التعداد ہے کہ صرف جنگجو سپاہی اسمیں آٹھ لاکھ ہیں اس لئے کمکی فوج جلد روانہ فرمائی جائے اور عبداللہ ابن قرط کو دیکر تقید کی کہ جس قدر ممکن ہو جلد پہنچائیں چنانچہ وہ آٹھ دن میں مدینہ منورہ پہنچے ایسی وقت میں کہ صحابہ جمعہ کی نماز کے لئے مسجد نبوی میں جمع تھے اور خط عمرؓ کو دیا آپنے منبر پر کھڑے ہو کر تمام حضار کو سنایا جس سے تمام صحابہ سخت متفکر ہوئے پھر عمر رضی اللہ عنہ نے سب سے پوچھا کہ اب کیا کرنا چاہیے علی کرم اللہ وجہہ نے کہا میں اس لڑائی کا حال نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سن چکا ہوں فرماتے تھے کہ یہ لڑائی ایسی سخت ہوگی کہ ہمیشہ کے لئے یادگار رہے گی اور صلیب کی پرستش کرنیوالے اسمیں ہلاک ہونگے۔ امیرالمومنین آپ ابوعبیدہ کے نام تسکین کا خط لکھد یجئے چنانچہ عمر رضی اللہ عنہ نے حسب مشورہ علی کرم اللہ وجہہ انکے نام خط لکھا جس کا حاصل مضمون یہ ہے۔

روایت جنگ شام

کہ فتح لشکر کی کثرت سے متعلق نہیں ہے بلکہ خدا کی مدد پر موقوف ہے کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ تھوڑے لوگ لشکر کثیر پر غالب آجاتے ہیں اب تم خدا پر توکل کرو اور صبر سے کام لو۔ اور خط لپیٹ کر عبداللہ بن قرط کے حوالہ کیا انھوں نے دعاے خیر کی درخواست کی اور آپنے انکو دعائیں دیں پھر وہ عرض سلام کی غرض سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر شریف پر حاضر ہوئے اسوقت وہاں علی کرم اللہ وجہہ مع ہردو صاحبزادے اور حضرت عباس اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم حاضر تھے وہ کہتے ہیں کہ بعد عرض سلام جب میں رخصت ہونے لگا تو علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا اے ابن قرط کیا ابھی جاتے ہو میں نے عرض کی جی ہاں مگر مجھے فکر ہے کہ اگر میں عین معرکہ کے وقت وہاں پہونچوں اور وہ لوگ میرے ساتھ کمکی فوج نہ دیکھیں گے تو بے صبری کا اندیشہ ہے اسلئے میری آرزو ہے کہ لڑائی سے پیشتر میں وہاں پہونچ جاؤں اور امیرالمومنین نے جو نصیحتیں زبانی فرمائی ہیں انکو سنادوں علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کیا تم نے عمرؓ سے دعا نہیں کرائی کیا تم نہیں جانتے کہ انکی دعا پھیری نہیں جاتی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انکے حق میں فرمایا ہے کہ میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو وہ عمرؓ ہوتے انکا
حکم موافق قرآن کے حکم کے ہوتا ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ اگر دنیا پر عذاب اترتا
تو عمرؓ کے سوائے کوئی اس سے نجات نہ پاتا کئی آیتیں انکی شان میں نازل ہوئیں وہ زاہد اور
پرہیزگار اور نوح علیہ السلام کے مشابہ ہیں اور اس قسم کی بہت سی فضیلتیں بیان کیں انتہی۔

مقصود یہ کہ عمر رضی اللہ عنہ کی جب دعا تم نے لی تو اب کسی قسم کی فکر نہ کرو کیونکہ جنکے
یہ فضائل ہوں انکی دعا کبھی رد نہیں ہوسکتی۔ اس سے ظاہر ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ کی کس قدر
وقعت علی کرم اللہ وجہہ کے دل میں تھی اور کیسا خلوص تھا۔

اور اسی میں یہ روایت بھی ہے کہ جب سعید ابن عامر مکہ معظمہ اور طائف سے ایک ہزار کا
لشکر جمع کرکے ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کی تائید کو نکلے اور امیر المومنین عمرؓ سے اجازت لینے کو مدینہ منورہ
آئے اسوقت عمر رضی اللہ عنہ نے انھیں وصیتیں کیں علی کرم اللہ وجہہ بھی وہاں تشریف رکھتے تھے
بعد ختم کلام فرمایا کہ اے سعید اپنے امام امیر المومنین کی وصیتوں کو یاد رکھو یہ وہ شخص ہیں کہ اون سے
مسلمانوں کے چالیس عدد کی تکمیل ہوئی انکی شان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
کہ اگر تم انکی اطاعت کروگے تو ہدایت پاؤگے۔ اور یہ بھی علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جب عبیدہ
ابن الجراح سے ملاقات ہو تو اون سے یہ کہو کہ اگر کوئی دشواری پیش آجائے تو امیر المومنین کو
لکھ کر مجھے بلوالو تو انشاء اللہ تعالی شام کی زمین کو میں الٹ دونگا انتہی۔

سبحان اللہ اطاعت اسے کہتے ہیں۔ متواتر خبریں آرہی ہیں کہ آج فلاں شہر فتح ہوا
اور آج فلاں خطہ اہل اسلام کے قبضہ میں آیا جس سے مسلمانوں کے حوصلے بڑھتے جارہے ہیں
خالد ابن الولید وغیرہ شجاعان اسلام اپنی شجاعتوں کے جوہر دکھا رہے ہیں کہ ایک ایک
شخص ایک ایک ہزار جنگجو سپاہیوں کا مقابلہ کرکے انکو ہزیمت دیکر شہرۂ آفاق ہو رہا ہے

اور علی کرم اللہ وجہہ ہیں کہ ہمت اور شجاعت کا دریا آپ میں جوش زن ہے اور یہ وثوق ہے کہ
بنفس نفیس سلطنت شام کو الٹ دیں باوجود اسکے یہ نہ ہوسکا کہ بغیر اجازت امیر المومنین عمر
رضی اللہ عنہ کے اس جنگ میں شریک ہوں آخر ابو عبیدہ کو کہلا یا کہ جب سخت ضرورت ہو تو
امیر المومنین کو لکھ کر مجھے بلوالو۔ اگرچہ اس قسم کی روایتوں میں کلام کرنا آسان ہے مگر عقل
حقیقت شناس سے اگر کام لیا جائے تو یہی روایتیں صحیح معلوم ہونگی اسلئے کہ اگر صحابہ میں
ایسی موافقت اور خلیفہ وقت کی اطاعت نہ ہوتی تو ایسے بڑے بڑے قدیم منتظم اور آباد سلطنتیں
جنکی مالی فوجی اور قومی طاقت کے مقابلہ میں لشکر اسلام کی قوت دیکھی جائے تو فیصدی صفر
کے سوائے اور کچھ جواب نہیں ہوسکتا ممکن نہیں کہ انکو فتح کرسکتے۔ کیونکہ مخالفت باہمی کا یہ
انجام ہوتا ہے کہ ہوا اکھڑ جاتی ہے جیسا کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے ولا تنازعوا فتفشلوا
فتذہب ریحکم یعنے اے مسلمانو آپس میں جھگڑا نہ کرو کہ اس سے بزدل ہوجاؤ گے اور
تمھاری ہوا بگڑ جائیگی انتہیٰ۔

دیکھئے کہ مخالفت باہمی ہی کا نتیجہ تھا کہ وہی علی کرم اللہ وجہہ ہیں کہ فوج کفار کی تعداد
لاکھوں کی سُن کر فرماتے ہیں کہ میں ملک شام کو الٹ دونگا اور خود بنفس نفیس ایک لاکھ فوج کو
ہمراہ لیکر چودہ مہینے معاویہؓ کا مقابلہ کرتے رہے اور دونوں طرف برابر کی فوجیں تھیں بلکہ آپکی
طرف کثیر التعداد صحابہ موجود تھے جو خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمراہی میں بہادران عرب کے
دلوں پر اپنی جوانمردی کا سکہ جما دیا تھا باوجود اسکے ایک ملک شام بھی فتح نہ ہوسکا۔ اور عمرؓ
کے وقت میں شام عراق اور عجم فتح ہوئے اور یورپ وافریقہ میں جہانتک گئے فتح کرتے گئے
کبھی ایسا نہ ہوا کہ بغیر فتح کے واپس آگئے ہوں۔ حالانکہ اسلامی فوج کی تعداد کبھی ایک لاکھ تک
نہیں پہنچی اور کفار کی فوجیں لاکھوں کی شمار میں تھیں اور صرف فوج ہی نہیں ہاتھیوں کی فوج کے

ساتھ مقابلے رہتے تھے۔ خالد بن الولید رضی اللہ کو اگر سیف اللہ کا خطاب تھا تو آپ اسداللہ الغالب تھے اور ہم یقیناً کہہ سکتے ہیں کہ خالدؓ کو آپکی شجاعت اور قوت کے ساتھ کوئی نسبت نہ تھی مگر بات یہ تھی کہ انکو جوانمردی دکھانے کا موقع اس زمانے میں ملا تھا کہ تمام صحابہ ایک دل تھے اور اس اتفاق کی وجہ سے مسلمانوں کی ہوا بندھی ہوئی تھی اور علی کرم اللہ وجہہ کو وہ زمانہ ملا جسمیں بحسب روایات صحیحہ فتنہ کا دروازہ کھل گیا تھا اور بحسب آیہ موصوفہ منازعت باہمی کی وجہ سے جُبن اور بزدلی مسلمانوں کے دلوں پر چھا گئی تھی۔

الحاصل آیات اور احادیث اور قراین تو یہ دیکھنے کے بعد ہر منصف مزاج مسلمان کا وجدان گواہی دیگا کہ علی کرم اللہ وجہہ اور ابوبکر صدیق اور عمر رضی اللہ عنہم میں کمال درجہ کا اتحاد اور اتفاق تھا۔ اور مخالفت کی روایتیں بے اصل محض ہیں۔ آپکو ان حضرات سے اسقدر خلوص تھا کہ اگر غائبانہ بھی کوئی اونکا ذکر بے طوری سے کرتا تو آپ منع فرما دیتے چنانچہ ناسخ التواریخ صفحہ (۲۵۹) میں لکھا ہے کہ جنگ صفین میں عبداللہ بن عمر اور محمد بن حنیفہ کا جب مقابلہ ہوا تو علیؑ نے اونکو پکار کر بلا لیا انھوں نے وجہ دریافت کی تو فرمایا کہ مجھے اندیشہ ہوا کہ کہیں وہ تمپر غالب آجائیں انھوں نے جواب دیا کہ خدا کی قسم یہ فاسق تو کیا اگر اوسکا باپ عمر خطاب بھی ہوتا تو آپ کی شان نہ تھی کہ آپ اوسکے مقابلہ میں جاتے امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا یا بنی لاتقل لابیه الاخیرا یعنے اے لڑکے اون کے والد کی شان میں سوائے خیر کے کوئی توہین کا لفظ نہ کہو۔

کنزالعمال میں متعدد کتب حدیث سے روایت ہے کہ عمرؓ نے علی کرم اللہ وجہہ سے آپکی صاحبزادی ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا پیام اپنے لئے کیا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ وہ کمعمر ہیں کہا کہ مجھے اسکے سوائے اور کچھ مقصود نہیں کہ میرا نسبی تعلق بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے

باقی رہے ہیں نے حضرت سے سنا ہے کہ کل سبب اور نسب قیامت کے روز منقطع ہو جائینگے
مگر میرا سبب و نسب باقی رہیگا۔ اگرچہ میں حضرت کی مصاحبت میں مدتوں رہا مگر چاہتا ہوں
کہ یہ تعلق بھی باقی رہے۔ اے علی! روئے زمین پر ایسا کوئی شخص نہیں جو اونکی مصاحبت کی
اسقدر توقع رکھتا ہو جس قدر مجھے ہے۔ یہ سن کر علی کرم اللہ وجہہ راضی ہوے اور فرمایا میں نے
آپ کے ساتھ اونکا نکاح کر دیا عمر رضی اللہ عنہ نے نہایت خوشی سے صحابہ کی مجلس میں آکر
کہا کہ مجھے نکاح کی مبارک باد دو۔ اونھوں نے مبارک باد دیکر پوچھا کہ اے امیر المومنین!
کن کے ساتھ آپنے نکاح کیا۔ فرمایا علی ابن ابی طالبؑ کی صاحبزادی کے ساتھ اور اوس کی
وجہ بیان کی اور چالیس ہزار درہم اونکا مہر مقرر فرمایا انتہی۔

اگرچہ حضرات شیعہ کو بھی اس واقعہ کا اقرار ہے مگر کچھ ایسی بدعنوانی سے اوسکو بیان
کرتے ہیں کہ غیرت دار آدمی کو اوس کا سننا بھی ناگوار ہے۔

ناسخ التواریخ کی جلد چہارم صفحہ (۱۲۸) میں یہ روایت منقول ہے کہ جب حضرت فاطمہ زہرا
علیہا السلام بیمار ہوئیں تو ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما عیادت کیلئے آپکے دولتخانہ پر گئے مگر آپنے اندر
آنے کی اجازت نہیں دی اوس پر ابوبکر رضی اللہ عنہ نے قسم کھالی کہ جبتک فاطمہ رضی اللہ عنہا
کو میں راضی نہ کرلونگا کسی چھت کے سایہ میں نہ بیٹھونگا چنانچہ رات بھر زیر سما رہے۔ عمر رضی اللہ عنہ
یہ دیکھ کر علی کرم اللہ وجہہ کے پاس گئے اور کہا کہ ابوبکر ایک ضعیف رقیق القلب شخص ہیں
اور رسا اونکو مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا حق صحبت اور مصاحبت غار حاصل ہے کئی بار وہ اور میں
فاطمہ رضی اللہ عنہا کی عیادت کو گئے مگر اونھوں نے آنیکی اجازت نہیں دی اگر آپ اس باب
میں سفارش کریں تو ہم حاضر ہو کر اونکو راضی کر لینگے۔ علی کرم اللہ وجہہ نے قبول فرمایا۔ اور فاطمہ
رضی اللہ عنہا سے اجازت دینے کو کہا اونھوں نے جواب دیا کہ خدا کی قسم نہ میں اونکو آنیکی

مقدمہ ازالۃ الغین عن بصارۃ العین

اجازت دونگی نہ اون سے بات کرونگی۔ علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا میں اس کام کا ضامن ہو گیا ہوں۔ فرمایا جب آپ ضامن ہو گئے تو خیر اجازت دیجئے چنانچہ بعد اجازت وہ گئے اور معذرتیں کیں مگر آپنے قبول نہیں کیا اوسوقت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا یا ویل یا ثبور لیت امی لم تلدنی یعنے یہ بڑی تباہی کی بات ہے کاش مجھے میری ماں نہ جنی ہوتی انتہیٰ۔ اگرچہ یہ روایت سنیوں کی کتاب میں دیکھی نہیں گئی۔ مگر تسلیم کرلی جائے تو اس سے اتنا تو ثابت ہے کہ علی کرم اللہ وجہہ کو شیخین کے ساتھ محبت تھی اور خلافت کا کوئی جھگڑا نہ تھا اس لئے کہ کس قدر آپکو ان حضرات کی پاس خاطر تھی کہ باوجودیکہ حضرت فاطمہ علیہا السلام نے بڑی قسم کھائی تھی مگر آپنے اوسکا بھی خیال نہ کیا اور اتنا زور دیا کہ قسم توڑنے پر اوںھیں مجبور ہونا پڑا۔ اگر آپکو ان حضرات سے ذرا بھی ملال ہوتا تو صاف فرمادیتے کہ تم جانو اور وہ مجھے ان جھگڑوں سے کیا کام پھر قسم کا بھی قوی حیلہ موجود تھا۔

اس روایت سے اسکا بھی اندازہ ہوسکتا ہے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کو خاندان نبوت سے کس قدر خلوص تھا فاطمہ رضی اللہ عنہا کا رنج و ملال کس درجہ اون پر شاق ہوا ہوگا کہ قسم کھائی کہ جب تک اونکو راضی نہ کرلونگا کسی گھر کے چھت کے سایہ میں نہ بیٹھونگا۔ پھر جب آپنے معذرت قبول نہیں کی تو خلافت بلکہ زندگی آپکی نظروں میں ہیچ ہوگئی جو لیت امی لم تلدنی سے ظاہر ہے۔ اگر یہاں یہ خیال کیا جائے کہ یہ سب تقیہ کی راہ سے تھا تو اسکو عقل قبول نہیں کرتی اسلئے کہ فدک جسکے نہ دینے کا رنج فاطمہ رضی اللہ عنہا کو تھا اوس سے اونکو کوئی ذاتی نفع نہ تھا اسکے مصارف اونھوں نے وہی رکھے تھے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تھے۔ اس سے ظاہر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اونھیں ایسی بات ضرور پہونچی تھی جس پر عمل کرنے میں وہ مجبور تھے کیونکہ خدا اور رسول کے احکام جاری کرنیمیں

حاکم مجاز نہیں کہ کسی کی رو رعایت کرے جیسا کہ علی کرم اللہ وجہہ کے اس ارشاد سے ظاہر ہے جو نہج البلاغہ صفحہ (۱۰۰) میں ہے لا یقیم امر اللہ سبحانہ الا من لا یصانع ولا یضارع ولا یتبع المطامع یعنے خدائے تعالیٰ کے حکم کو وہی جاری کریگا جو نہ کسی کے ساتھ سازش کرے اور نہ ایسے کام کرے جو اہل باطل کے مشابہ ہوں اور نہ لوگوں کی خواہشیں پوری کرنا اوسکے مدنظر ہو۔ غرضکہ ابو بکرؓ معذور تھے اور حضرت فاطمہؑ سے انھیں کوئی خصومت نہ تھی اگر معاذاللہ کوئی ذاتی خصومت ہوتی تو بار بار رضاجوئی کے واسطے آپکے گھر نہ جاتے اور معذرت کرنے کی ضرورت ہی کیا تھی کیونکہ خلافت کے مسئلہ میں تو کوئی رکاوٹ باقی رہی نہ تھی جس سے یہ خیال ہو کہ خلافت حاصل کرنے کی یہ تدبیر نکالی تھی۔ اگر فاطمہ رضی اللہ عنہا کو بمقتضائے بشریت اس مقدمہ میں کسی قسم کا رنج بھی تھا تو ابو بکر رضی اللہ عنہ کے خلوص کے اثر سے وہ رفع ہوگیا تھا جیسا کہ تحفۂ اثنا عشریہ میں لکھا ہے کہ قطع نظر بیہقی وغیرہ کتب اہل سنت کے کتب شیعہ مثل مجاج السالکین وغیرہ سے ثابت ہے کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ کو جب فاطمہ رضی اللہ عنہا کا رنج اور خفگی معلوم ہوئی تو آپ اونکے پاس چلے گئے اور کہا کہ اے صاحبزادی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آپ فدک کے باب میں جو کہتی ہیں سچ ہے مگر میں نے آپکے والد صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے کہ آپ صاحبوں کے اور عملہ کی قوت کے بعد فقراء و مساکین میں فدک کے محاصل کو تقسیم فرمایا کرتے تھے۔ فرمایا آپ بھی اوسی طرح تقسیم کیا کرو۔ اوںھوں نے کہا خدا کی قسم یہ میرے ذمہ ہے میں ایسا ہی کرونگا۔ فرمائیں خدا کی قسم ایسا ہی کروگے؟ کہا خدا کی قسم ایسا ہی کرونگا۔ اسپر فاطمہ رضی اللہ عنہا نے کہا یا اللہ تو گواہ رہ اور یہ اقرار لیکر اونسے راضی ہوگئیں چنانچہ ابو بکر رضی عنہ نے وہ عہد پورا کیا انتہیٰ۔

ابو بکر رضی اللہ عنہ نے جو حدیث شریف نحن معاشر الانبیاء لا نورث

پیش کی اسکی تصدیق ائمہ اہل بیت بھی کرتے ہیں۔ چنانچہ کلینی صفحہ (۱۷) میں ہے عن ابی عبداللہ علیہ السلام قال ان العلماء ورثۃ الانبیاء وذلک ان الانبیاء لم یورثوا درھماً ولا دیناراً وانما ورثوا احادیث من احادیثھم اسکا مطلب صاف ہے کہ انبیاء دنیوی کوئی چیز میراث میں نہیں چھوڑتے انکی میراث صرف احادیث ہیں جن کے وارث علماء ہوتے ہیں انتہی۔

دیکھئے لفظ انما حصر کے لئے ہے جس کے معنی یہ ہوے کہ انبیاء کی میراث صرف علم ہے اسکے سوا کوئی چیز ترکہ میں نہیں چھوڑتے۔ کلینی صفحہ (۱۴۳) میں ہے عن ابی عبداللہ علیہ السلام قال ترک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من المتاع سیفاً ودرعاً وعنزۃ ورحلاً وبغلتہ الشہباء فورث ذلک کلہ علی بن ابی طالب یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ترکہ متاع دنیوی سے صرف تلوار اور زرہ اور چھوٹا نیزہ اور کجاوا اور خچر تھا اور اس سب کے وارث علی بن ابی طالب ہوے۔ اس روایت سے یقینی طور پر معلوم ہوگیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جس قدر ترکہ تھا اسکے وارث علی کرم اللہ وجہہ ہوے یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ عباس حضرت کے چچا موجود تھے پھر علی کرم اللہ وجہہ کو یہ ترکہ کیونکر پہنچا۔ اس کا جواب اس روایت سے معلوم ہوتا ہے جو کلینی صفحہ (۱۴۴) میں ہے کہ ابو عبداللہ علیہ السلام فرماتے ہیں کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کا وقت قریب پہنچا تو آپنے عباس سے فرمایا یا عم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا میراث محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ اس شرط پر لیتے ہو کہ اسکا قرض ادا کریں اور وعدہ پورا کریں انھوں نے عرض کی یا رسول اللہ میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں میں ایک بوڑھا شخص کثیر العیال اور غریب ہوں۔ آپکے قرضوں اور وعدوں کا ادا کرنا کس سے ہوسکے۔ آپ سخاوت میں ہوائے تند کا مقابلہ کرتے تھے

پھر مکرر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وہی فرمایا اور عباسؓ نے وہی جواب دیا اسکے بعد علی علیہ السلام سے وہی فرمایا جو عباسؓ سے فرمایا تھا آپنے قبول کیا۔ چنانچہ حضرت نے اپنی خاتم خود۔ ذرع۔ نشان خمیص۔ ٹوپی۔ ذوالفقار۔ دلدل دو اونٹنیاں۔ دو گھوڑے۔ دو مادہ خچر وغیرہ اشیاء آپ کو عطا کئے انتہی ملخصاً۔

اب غور کیجئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی میراث یہی تھی جو مذکور ہوئی اور کل میراث کے وارث علی کرم اللہ وجہہ ہوے۔ جسکی تصریح حضرت امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں اور آپ نے دیکھ لیا کہ اسمیں فدک کا نام بھی نہیں اگر زمین فدک ترکہ میں ہوتی تو اس موقع پر حضرت اس کا ضرور ذکر فرماتے کہ اسکو بیچکر قرض کی ادائی کیجائے اور تعجب نہیں کہ عباسؓ بھی اس جائداد کی وجہ سے اس خدمت کو قبول کر لیتے بہرحال یہ وقت ذاتی جائداد بتلانے اور ادائی دیون وغیرہ کی وصیت کرنے کا تھا۔ جب چھوٹی چھوٹی اشیائے مملوکہ پر آپنے علی کرم اللہ وجہہ کا قبضہ کرادیا تو ایک بڑی آمدنی کی زمین جس پر مدتوں جھگڑے رہے اسکا ذکر حضرت ضرور فرمادیتے اور اگر کسی مصلحت سے ذکر نہیں فرمایا تو علی کرم اللہ وجہہ ضرور پوچھ لیتے کہ ادائی دیون میں آمدنی فدک سے بھی مدد لیسکتا ہوں یا نہیں مگر آپنے بھی نہیں پوچھا اس سے ظاہر ہے کہ فدک کو ترکہ سے کوئی تعلق نہ تھا۔ اسکے مصارف جداگانہ مقرر تھے۔ غرضکہ فدک کے معاملے میں جو ابوبکرؓ پر الزام لگادیا جاتا ہے خود علی کرم اللہ وجہہ اور ائمہ کرام نے اسکا جواب دیدیا مگر فاطمۃ الزہرا علیہا السلام کو وہ حدیث پہنچی نہ تھی اسلئے آپنے اسکا تذکرہ کیا پھر جب ابوبکر رضی اللہ عنہ سے اسکے اصلی واقعات سن لئے تو تسلیم کیا اور جھگڑا اٹھ گیا مگر بعد والے لوگوں نے اپنے اغراض پورے کرنیکی غرض سے روایتیں بنالیں جن سے ابتک انکا جھگڑا پڑا ہوا ہے اگر وجدان سے کام لیا جائے تو وہ بھی یہی گواہی دیگا کہ ان نفوس قدسیہ کی یہ شان نہیں کہ دنیاداروں کی طرح

تھوڑی سی زمین کے لئے عمر بھر خصومت میں لگے رہیں۔

نہج البلاغہ میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا ارشاد منقول ہے من بالغ فی الخصومۃ اثم ومن قصر فیہا ظلم ولا یستطیع ان یتقی اللہ من خاصم یعنی جو شخص خصومت میں مبالغہ کرے وہ گناہگار رہے اور جو تھوڑی خصومت کرے وہ ظالم ہے اس سے خدائے تعالیٰ کا تقوی نہیں ہوسکتا۔ انتہی اب کہئے کہ کیونکر خیال کیا جائے کہ فاطمہ زہرہ علیہا السلام نے مقدمہ فدک میں خصومت کی جسکی وجہ سے ظالم یا گنہگار قرار دیئے جائیں یا کہا جائے معاذ اللہ وہ متقی نہ تھیں اور علی کرم اللہ وجہہ کی نسبت یہ کیونکر خیال ہوسکے کہ آپنے لوگوں کو تو یہ ارشاد فرمایا تھا مگر آپکے گھر میں اسپر عمل نہ تھا۔

اور یہ بھی روایتیں نقل کیجاتی ہیں کہ فاطمۃ الزہراء علیہا السلام نے انتقال کے وقت تک ابوبکرؓ سے ترک کلام کر دیا تھا۔ حالانکہ کلینی صفحہ (۱۴۵) میں ہے عن ابی عبداللہ علیہ السلام یقول قال ابی قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایما مسلمین تھاجرا فمکثا ثلاثا لا یصطلحان الا کان خارجین من الاسلام ولم یکن بینہما ولایۃ فایہما سبق الی کلام اخیہ کان السابق الی الجنۃ یوم الحساب یعنے ابوعبداللہ علیہ السلام اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو دو مسلمان باہمی رنجش کی وجہ سے تین روز تک ایک دوسرے سے بات نہ کریں اور اس عرصہ میں صلح نہ کرلیں تو وہ دونوں اسلام سے خارج ہونگے اور انمیں ولایت نہیں پھر جو شخص پہلے بات کرلے وہ قیامت کے روز جنت میں پہلے جائیگا اب غور کیجئے کہ حضرت فاطمۃ الزہراء علیہا السلام کی نسبت یہ گمان ہوسکتا ہے کہ نعوذ باللہ آپ ایسے گناہ کے مرتکب ہوے جس سے آدمی اسلام سے خارج ہوجائے اس قسم کی کل روایتیں

یقیناً بنائی ہوئی اور موضوع ہیں اور انکی تصدیق کرنے والے اپنے پر قیاس کر کے تصدیق کرلیتے ہیں جو ہرگز نہیں چاہیئے کیونکہ اگر ان حضرات کی وہی حالتیں ہوں جو ہماری ہیں تو نفوس قدسیہ میں اور ہمارے نفوس میں فرق ہی کیا ہوا۔ اب اگر ان روایتوں کو صحیح کرنے کی غرض سے نفس امارہ اور نفس قدسی اور مطمئنہ کو ایک کردیں تو اسکا کچھ علاج نہیں۔

جس طرح ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما سے آپ کو صفائی تھی اسی طرح عثمانؓ سے بھی تھی چنانچہ ناسخ التواریخ کی جلد دوم صفحہ (۵۲۶) میں لکھا ہے کہ عثمان نیم شبے بخانہ علی علیہ السلام آمد و گفت یا ابا الحسن حق خویشاوندی و قرابت را فرو مگذار و شفقت خویش را از من دریغ مدار و نزد یک این قوم شو و ایشاں را بکتاب خدا و سنت رسول دعوت کن و آنچہ خواستار شوند بذیرفتار باش۔ دیکھئے عثمانؓ کو علی کرم اللہ وجہہ پر کس قدر اعتماد و وثوق تھا کہ ایسی نازک حالت میں کل صحابہ میں سے بلوائیوں کی تفہیم کے لئے آپکا انتخاب کیا اور آپنے بھی اوسکو قبول کر کے یہانتک سعی کی کہ عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف سے خود ضامن ہوگئے۔ جیسا کہ ناسخ التواریخ میں اسکی تصریح کی ہے۔ اگر دشمنی ہوتی تو علی کرم اللہ وجہہ صاف کہدیتے کہ مجھے ان جھگڑوں سے کیا غرض بلکہ بلوائیوں کو اور تائید و اشتعالک دیتے۔

اور یہ بھی ناسخ التواریخ صفحہ (۵۲۹) میں ہے۔ و از ہر جانب سنگ پارہ ہائے مسجد را برگرفتند بسوئے عثمان روان کردند پس عثمان را از منبر فرود آوردند و او بیہوش بود ہمچنانش بخانہ بردند حسن بن علی علیہ السلام و سعد ابن وقاص وغیرہ تا در سرائے رفتند عثمان از ایشاں عذر خواست تا باز شدند آنگہ علی علیہ السلام بعیادت عثمان روان شد و او را دیدار کرد۔ دیکھئے اس سے کس قدر باہمی محبت اور خصوصیت معلوم ہوتی ہے کہ باوجود اس خطرناک حالت کے امام حسنؓ نے عثمانؓ کو گھر تک پہونچایا اور علی کرم اللہ وجہہ سنتے ہی

بلوائیوں کو زجر و توبیخ کی اور اوس خطرناک حالت میں پانی پہونچایا۔ عثمانؓ کا علی کرم اللہ وجہہ کو تخصیص کے ساتھ پکارنا اور خبر پہونچتے ہی آپ کا وہاں تشریف لیجانا وغیرہ امور کس توضیح سے محبت و خصوصیت باہمی کو بتلا رہے ہیں اگر ایسے کھلے قرائن بھی نظر انداز کر دیے جائیں تو کہنا پڑیگا کہ درایت کوئی چیز نہیں صرف اسم بے مسمی ہے۔

جب علی کرم اللہ وجہہ کو یقین ہوا کہ بلوائی عثمانؓ کو ضرور شہید کرینگے تو امام حسن علیہ السلام کو حفاظت کیلئے روانہ فرمایا چنانچہ تاریخ الخلفاء صفحہ (۱۰۹) میں ہے فبلغ علیاان عثمان یراد قتلہ فقال انما اردنا مروان فاما قتل عثمان فلا فقال للحسن والحسین اذھبا بسیفکما حتے تقوما علی باب عثمان فلا تدعا احد ایصل الیہ

یعنے جب علی کرم اللہ وجہہ کو معلوم ہوا کہ بلوائیوں نے عثمانؓ کے قتل کا ارادہ کر لیا ہے تو فرمایا کہ ہم صرف اسقدر چاہتے تھے کہ مروان کو دیدیں رہا عثمانؓ کا قتل سو اس کا خیال بھی نہ تھا پھر امام حسن اور امام حسین علیہما السلام سے فرمایا کہ تم دونوں مسلح ہو کر عثمانؓ کے دروازے پر جاؤ اور کسی کو اون تک پہونچنے نہ دو چنانچہ دونوں صاحبزادے مسلح ہو کر تشریف لیگئے اور بلوائیوں نے تیراندازی شروع کی اسی میں لکھا ہے کہ امام حسن زخمی ہوئے اور آپ کا جسم مبارک خون آلود ہو گیا اور قنبر کا سر پھوٹا محمد بن ابی بکر نے جب یہ حالت دیکھی تو بلوائیوں سے کہا کہ اگر بنی ہاشم حسنین کا یہ حال دیکھیں گے تو ضرور کمک کے لئے آئینگے اور ہمارا مقصود فوت ہو جائیگا اسوقت مناسب یہی ہے کہ دوسری طرف سے دیوار کود کر گھر میں پہونچ جائیں اور اونکو قتل کر ڈالیں۔

جب علی کرم اللہ وجہہ کو عثمانؓ کی شہادت کی خبر پہونچی تو بدحواس دوڑے اور دونوں صاحبزادوں سے فرمایا کہ تمھاری موجودگی میں امیر المومنین کس طرح قتل کئے گئے اور

کمال غصہ سے امام حسن علیہ السلام کو طمانچہ اور امام حسین علیہ السلام کے سینہ پر مارا اور بہت سخت وسست سنائی اگرچہ اس واقعہ کو ناسخ التواریخ صفحہ (۵۳۶) میں دوسرے طور پر لکھا ہے۔ مگر شہادت کے وقت امام حسن علیہ السلام کا وہاں موجود رہنا اوس سے بھی ثابت ہے۔ چنانچہ لکھا ہے کہ آتش فتنہ بالا گرفت عثمان را ازپس یکدیگر چند در بود پس قوم آتش بیاوردند و بر درختیں زدند و بہ درون آمدند در دیگر را آتش زدند حسین بن علی علیہما السلام وغیرہ نزد عثمان بودند عثمان با حسن گفت ایں وقت در ہائے سرائے را قوم برائے کار بزرگ می سوزند و پدرت و علی بن ابی طالب ایں ہنگام در حق تو اندیشناک است ترا سوگند میدہم کہ نزد او شوی پس حسن علیہ السلام از نزد او بیروں شد و ایں وقت بہ سرائے عثمان در آوردند۔

بہرحال علی کرم اللہ وجہہ کی ہمدردی ہر طرح سے ثابت ہے اور اس روایت سے عثمانؓ کا غایت خلوص ظاہر ہے کہ امام حسن علیہ السلام ہرچند واپس جانا نہیں چاہتے تھے مگر آپنے انکو مجبور کیا اور منت کر کے قسمیں دیدیکر روانہ فرمایا صرف اس خیال سے کہ علی کرم اللہ وجہہ کو تشویش ہوگی۔ سبحان اللہ وفاداری اور غمخواری اسے کہتے ہیں۔ علی کرم اللہ وجہہ نے اپنے جگر گوشوں کو شریک حال کیا تو عثمانؓ نے اوسکا جواب دیا کہ سر جائے تو قبول مگر آپ کے دل پر تشویش نہ آنے پائے۔

روایات مذکورہ بالا سے یہ بات نہایت وضاحت سے معلوم ہوگئی کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو خلفائے ثلثہ کے ساتھ ایک خاص قسم کی خصوصیت اور محبت تھی اور اونکے فضائل اور خلیفہ برحق ہونیکے قائل تھے کیونکہ آپ جانتے تھے کہ ہر وقت اسلام میں ایک ایسے شخص کی ضرورت ہے جو امانت و دیانت سے نبوت کے کاموں کو بطور خلافت و نیابت انجام دے جسکے فضل و کمال

اہل حل وعقد اتفاق کرکے اوسکو اپنا امیر تسلیم کرلیں چنانچہ یہ امور خلفائے ثلثہ میں پائے گئے۔
چونکہ ابھی معلوم ہوا کہ خلافتِ نبوت ایسی چیز نہیں کہ کوئی متدین شخص اوسکا طالب ہوسکے
اسی وجہ سے جب آپ کی نوبت آئی تو اوسکے قبول کرنے سے آپ انکار کرگئے اور بہت دیر کی
رد وقدح کے بعد بمجبوری قبول فرمایا۔ اب جو خیال کیا جاتا ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو
آرزو تھی کہ آپ خلیفہ اول بنائے جائیں سو یہ بالکل خلاف درایت وروایت ہے۔ کیونکہ
مختلف متعدد روایتوں سے ابھی معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ علی کرم اللہ وجہہ
کو اپنا خلیفہ اور جانشین مقرر فرمایا نہ اورکسی کو بلکہ قرائن واشارات اور پیشین گوئیوں کے
ذریعہ سے معلوم کرادیا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اہل اسلام خلیفہ مقرر کرلینگے اور خدا تعالی کو بھی
یہی منظور ہے تو یہ کیونکر ہوسکتا ہے کہ باوجود اس علم کے آپ خلاف مرضی خدا ورسول ایسی چیز
کی آرزو کرتے جسمیں ہزارہا ذمہ داریاں ہوں اور سردست کوئی نفع بھی نہیں یہانتک کہ
معمولی کھانا اور کپڑا خلیفہ کو نصیب ہونا مشکل تھا جسکے ثبوت میں خود علی کرم اللہ وجہہ کے حالات
گواہ عدل ہیں۔ جن سے نہ شیعہ کو انکار ہے نہ سنیوں کو یہی وجہ تھی کہ شیخین بلکہ خود علی کرم اللہ وجہہ
تمنا کرتے تھے کہ کاش ہم پہلے ہی مرگئے ہوتے۔ اب کہئے کہ ایسی خلافت کی آرزو عقل کی رو سے
کیونکر صحیح ہوسکتی ہے۔ ہرچند روایات خلافت شیخین حاکم نے مستدرک میں کثرت سے ذکر
کئے ہیں اور حاکم شیعی شخص ہیں اگر اس سے بھی قطع نظر کرکے تسلیم کرلیا جائے کہ جو احادیث
حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے باب میں وارد ہیں سنیوں کی بنائی ہوئی ہیں تو بھی عقل اسکو
قبول نہیں کرتی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے علی کرم اللہ وجہہ کو اپنا ولیعہد اور جانشین
مقرر فرمادیا تھا اور کل صحابہ نے عدول حکمی کی کیونکہ عدول حکمی کے لئے کوئی ایسا قوی سبب
چاہئے کہ عمر بھر کی خوش اعتقادیوں پر پانی پھیر کر چند ساعتوں میں پوری مخالفت پر آمادہ کرسکے

کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات تک کل صحابہ حضرت کے امر پر جان فدا کرنے کو سعادت ابدی کا ذریعہ جانتے تھے اور کیا یہ کسی کا عقیدہ تھا کہ حضرت کے حکم بعد وفات قابل نفاذ نہیں؟ ہرگز نہیں بلکہ وہ جانتے تھے کہ جو کچھ آپنے قرار دیا اور حکم فرمایا وہ بالکل ہمیشہ کے لئے قابل نفاذ ہے۔

ابوبکرؓ کو مثل معاویہؓ کے پہلے سے کوئی حکومت حاصل نہتی جس سے فوج کشی کرکے سب کو مقہور کرنے کا احتمال ہو سکے نہ اونکا قبیلہ ایسا پر زور اور جنگجو تھا جسکی ہیبت کل صحابہ پر طاری ہوگئی ہو بلکہ اونکا قبیلہ تمام قبائل قریش میں چھوٹا اور کم وقعت سمجھا جاتا تھا جیسا کہ ابوسفیانؓ کے قول سے ابھی معلوم ہوا۔ غرضکہ کوئی سبب ایسا خیال میں نہیں آتا جس سے کل صحابہ بلکہ خود علی کرم اللہ وجہہ کو مخالفت امر نبوی پر مجبور کیا ہو کیونکہ علی کرم اللہ وجہہ اگر مامور یا مستحق تھے تو اونکا فرض تھا کہ کبھی اوس سے تقاعد نہ کرتے جیسے عثمانؓ شہید ہوگئے مگر خلافت کو نہ چھوڑا صرف اس بنا پر کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کنایۃً فرمایا تھا کہ ای عثمانؓ امید ہے کہ خدا تعالی تمھیں ایک قمیص پہنائے اگر لوگ اوسکو اوتارنا چاہیں تو تم اوتارنے نہ دو جیسا کہ حاکم نے اس روایت کو مستدرک میں بیان کیا ہے۔ اس سے ثابت ہے کہ وہ روایت جو علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ اگر میں ولیعہد ہوتا تو ابوبکرؓ کو حضرت کے منبر پر کھڑے رہنے نہ دیتا صحیح ہے۔ غرضکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اگر علی کرم اللہ وجہہ کو اپنا جانشین قرار دیتے تو ممکن نہتا کہ ہنوز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تجہیز و تکفین بھی نہیں ہوئی تھی کہ کل صحابہ عدول حکمی کرکے ابوبکرؓ کو جانشین مقرر کر دیتے کیونکہ دنیوی حیثیت سے ابوبکرؓ میں کونسی ایسی بات تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ایک طرف رہ گیا اور اون کی چل گئی۔ اور حضرت علیؓ بھی اوس عدول حکمی میں شریک ہوگئے۔

کلینی میں روایت ہے قال امیر المومنینؑ فی کلام لہ خطب بہ علی المنبر

یا ایہا الناس اذا علمتم فاعملوا بما علمتم لعلکم تھتدون ان العالم العامل

بغیرہ کالجاہل الحائر الذی لا یستفیق عن جھلہ ولا تدھنوا فی الحق

فتقصروا یعنے فرمایا علی کرم اللہ وجہہ نے برسرمنبر کہ اے لوگو جب تمھیں کسی بات کا علم آگیا

تو اس پر عمل کرو اس صورت میں امید ہے کہ تم ہدایت پاؤگے۔ جو جاننے والا برخلاف علم

عمل کرے وہ مثل جاہل حیران کے ہے کہ جہل سے اسکو فاقہ ہی نہیں اور حق بات میں

مداہنت نہ کرو ورنہ نقصان اٹھاؤگے۔

اس سے ظاہر ہے کہ اگر علی کرم اللہ وجہہ کو اپنی خلافت متصلہ کا علم ہوتا تو آپ کبھی

مداہنت نہ کرتے کیا ممکن ہے کہ لوگوں کو تو آپ برسرمنبر عمل کرنے کو فرمادیں۔ اور خود آپ ہی

عمل نہ کئے ہوں۔

کلینی میں روایت ہے عن ابی عبد اللہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم الفقہاء امناء الرسل مالم یدخلوا فی الدنیا قیل یا رسول اللہ

ومادخولھم فی الدنیا قال اتباع السلطان فاذا فعلوا ذالک فاحذروھم

علی دینکم یعنے ابوعبد اللہ علیہ السلام سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے کہ فقہا رسولوں کے امانتدار ہیں اسوقت تک کہ دنیا میں داخل نہوں کسی نے پوچھا کہ

انکے دنیا میں داخل ہونے کی کیا صورت فرمایا بادشاہ کی متابعت جب وہ یہ کام کرنے لگیں تو

تم ان سے ڈرو کہ کہیں تمھارا دین خراب نہ کردیں دیکھئے ابوعبد اللہ امام جعفر صادق

علیہ السلام تک جب یہ روایت پہونچی تو علی کرم اللہ وجہہ تو اسکو ضرور جانتے تھے اور

متعدد روایتوں سے ثابت ہے کہ آپ خلفائے ثلثہ کی خلافتوں میں اہل شوریٰ میں شریک تھے

اور دربار خلافت میں ہمیشہ جایا کرتے بلکہ معین و مددگار رہتے اور اونکی اطاعت پوری پوری کرتے تھے
اگر آپ انکو سلاطین سمجھتے تو انکی مجلسوں میں کبھی داخل نہ ہوتے اور کبھی دنیا داری کا عار اپنے ذمہ
نہ لیتے کیونکہ آپ باتفاق فریقین اورع تھے اس سے ظاہر ہے کہ خلفائے ثلثہ کی خلافت کو آپنے
خلافت حقہ تسلیم فرمالیا تھا۔

کلینی میں روایت ہے عن معاویۃ بن وھب قال سمعت اباعبد اللہ
یقول قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان عند کل بدعۃ تکون من
بعدی یکاد بھا الایمان ولیاً من اھل بیتی موکلا بہ یذب عنہ
ینطق بالھام من اللہ ویعلن الحق وینورہ ویرد کید الکائدین یعبر
عن الضعفاء فاعتبروا یا اولی الابصار وتوکلوا علی اللہ یعنے ابوعبداللہؑ
فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب کوئی بدعت نکلے جس سے ایمان
میں کسی قسم کی خرابی واقع ہو اسوقت ایک ولی میرے اہل بیت سے موکل ہو جائیگا کہ ایمان
سے ان خرابیوں کو دفع کرے اللہ کی طرف سے اسکو الہام ہوا کریگا جسکو وہ بیان کریگا
اور حق کا اعلان کرکے اسکو روشن کردیگا اور کید کرنیوالوں کے کید کو رد کردیگا اس روایت
سے ثابت ہے کہ خلفائے ثلثہ کی خلافت مکر وکید سے حاصل نہیں کیگئی تھی ورنہ علی کرم اللہ وجہہ
کا فرض ہوتا کہ اپنے الہاموں کے ذریعہ سے حق کا اعلان کرکے مبرہن اور روشن اونکے
کید کو ظاہر فرمادیتے۔

کلینی میں روایت ہے عن محمد بن جمھور العمی یرفعہ قال قال رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم اذا ظھرت البدع فی امتی فلیظھر العالم علمہ فمن لم
یفعل فعلیہ لعنۃ اللہ یعنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب میری امت

میں بدعتیں ظاہر ہوں تو عالم کو ضرور ہے کہ اپنا علم ظاہر کرے اور جس نے ایسا نہیں کیا اسپر خدا کی لعنت ہے غور کیا جائے کہ اگر خلفائے ثلثہ کی خلافتیں اور اونکے احکامات بدعت تھے تو علی کرم اللہ وجہہ پر انکی تائید کرنا حرام تھا حالانکہ فریقین کی کتابوں سے ثابت ہے کہ آپ ہر موقع میں ان حضرات کی تائید کو دین کی تائید سمجھتے تھے ورنہ آپ انکی مجلسوںمیں ہرگز نہ جاتے جس سے انکی تعظیم ہوتی تھی کیونکہ اسوقت آپکا جانا بحیثیت اتباع اور اطاعت تھا نہ بحیثیت حاکمیت یا اکراہ۔

کلینی میں روایت ہے عن محمد بن جمہور رفعہ قال من اتی ذا بدعۃ فعظمہ فانما یسعی فی ھدم الاسلام یعنی فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو شخص کسی بدعتی شخص کے پاس جاکر اسکی تعظیم کرے یا اسکو بزرگ بنائے تو اس نے بنیاد اسلام کو ڈھانے میں کوشش کی اب غور کیجئے کیا حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے یہ خیال ہوسکتا ہے کہ آپنے اسلام کے ڈھانے میں کوشش کی ہوگی۔ نعوذ باللہ من ذالک۔

کلینی میں روایت ہے کہ ابو عبد اللہؑ نے فرمایا کہ نہ اہل بدعت کے ساتھ رہو نہ ان کے ہمنشین ہو کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ آدمی اپنے دوست اور قرین کے دین پر ہوتا ہے۔

اور اسی صفحہ (۳۵۵) میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب میرے بعد اہل بدعت کو دیکھو تو ان سے تبری کرو اور گالیاں دو اور بدگوئی کرو انتہی ملخصاً الحاصل متعدد روایتوں سے ثابت ہے کہ اہل بدعت سے احتراز اور تبری ضرور ہے اور علی کرم اللہ وجہہ نے خلفائے ثلثہ سے کبھی علیحدگی اختیار نہیں کی بلکہ انکے ہمنشین رہا کرتے تھے اس سے اہل انصاف سمجھ سکتے ہیں کہ خلفائے ثلثہ کی خلافت بدعت نہ تھی بلکہ خلافت حقہ تھی جسکی تائید آپ بنفس نفیس فرماتے تھے

علی کرم اللہ وجہہ تو لڑکپن سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مصاحبت میں رہچکے تھے ابتداء سے دیکھا کئے کہ کفار نے کیسی کیسی ایذائیں حضرت کو دیں چنانچہ خود حضرت ارشاد فرماتے ہیں کہ جس طرح مجھے ایذائیں دیگئیں کسی نبی کو نہیں دیگئیں باوجود اسکے آپنے دعوے نبوت سے کبھی تقاعد نہیں کیا اسی طرح علیؑ کا بھی فرض تھا کہ دعوے خلافت سے تقاعد نفرماتے کیونکہ وہ خلافت خلافت نبوت تھی جس سے نبوت کے کام متعلق تھے حالانکہ کسی روایت سے ثابت نہیں کہ آپنے بالاعلان دعوے خلافت کیا اور ابوبکر رضی اللہ عنہ اور اونکے طرفداروں نے آپکو دھمکی دی۔جس سے آپ نے ڈر کر دعوے چھوڑ دیا۔

اگر کہا جائے کہ آپنے تقیہ کیا تو یہ بھی سمجھ میں نہیں آتا اسلئے کہ ابوبکرؓ کا قبیلہ کچھ با وقعت نہ تھا جیسا کہ ابھی معلوم ہوا بخلاف اس کے علی کرم اللہ وجہہ کا قبیلہ تمام عرب میں جس شوکت وشکوہ کا تھا اظہر من الشمس ہے۔اور حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر جان فدا کرنیوالے کل صحابہ تھے اور حضرت علیؑ کی جو قرابت اور خصوصیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھی ظاہر ہے اور مقتضائے طبع انسانی ہے کہ اپنے کریم اور شفیق آقا کے قرابتدار نہایت عزیز ہوا کرتے ہیں اور اوسکے انتقال کے ساتھ ہی وارث قوی کو اوسکا جانشین بنا دیتے ہیں جیسا کہ کتب تواریخ وغیرہ سے ظاہر ہے۔ دیکھئے باوجودیکہ علی کرم اللہ وجہہ نے امام حسن علیہ السلام کو اپنا ولیعہد مقرر نہیں فرمایا مگر آپکی شہادت کے ساتھ ہی جتنے مسلمان آپکے زیر فرمان تھے سب نے اونکو آپ کا جانشین تسلیم کر لیا حالانکہ وہ وقت سخت آزمائش اور فتنہ کا تھا اودھر ایک بڑی سلطنت شام کا مقابلہ درپیش اور ادھر اپنی باغی فوج یعنے خوارج کا خوف لگا ہوا۔بخلاف اسکے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت تو مخالفت کا نام بھی نہ تھا۔اسکا انکار نہیں ہوسکتا کہ علی کرم اللہ وجہہ کو بلحاظ قرابت

یہ اطمینان ضرور حاصل تھا کہ کوئی صحابی آپکا مخالف نہیں۔ چنانچہ حاکم نے مستدرک میں روایت کی ہے کہ نزال ابن سبرہ نے علیؑ سے پوچھا کہ آپکے اصحاب کون ہیں فرمایا کل اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے اصحاب ہیں۔

ان قرائن سے ثابت ہے کہ اگر پہلے سے آپ خلیفہ مقرر ہو چکے تھے تو آپکو تقیہ کرنیکی کوئی ضرورت نہ تھی۔ صرف دعوے کرنا کافی تھا۔ پھر آپکی شجاعت پر نظر ڈالی جائے تو عقل ہرگز گوارا نہیں کرتی کہ آپنے بزدلی کی ہو دیکھئے جنگ خیبر وغیرہ کے معرکوں میں جو آپنے داد شجاعت دی کتب احادیث سے ظاہر ہے پھر یہ شجاعت حضرت ہی کے زمانہ پر منحصر نہیں بلکہ معاویہؓ کے مقابلہ میں جو معرکہ آرائیاں آپنے کیں اونکا بھی جواب نہیں۔ حالانکہ اوسوقت آپکی عمر شریف ساٹھ سال سے متجاوز تھی اسلئے کہ آپ کی عمر شریف انتقال کے وقت ترسٹھ سال کی تھی جیسا کہ استیعاب میں لکھا ہے اور کل مدت خلافت چار سال اور چند ماہ ہے جب اس پیرانہ سری میں آپکی شجاعت کا یہ حال ہو تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت جبکہ تخمیناً تیس سال کی عمر تھی جو عین شباب کا زمانہ ہے کیا حال ہوگا۔

تاریخ کامل میں لکھا ہے کہ جب لشکر معاویہؓ نے عمار بن یاسرؓ کو شہید کیا تو علی کرم اللہ وجہہ نے صرف بارہ شخصوں کو ہمراہ لیکر لشکر پر حملہ کیا اور تمام لشکر کے صفوں کو چیرتے ہوئے معاویہؓ کے ڈیرے کے قریب پہونچ گئے اور پکار کر فرمایا اے معاویہ طرفین کے لوگ مفت مارے جانے سے کیا فائدہ فیصلہ اسی پر قرار دیا جائے کہ تم ہم اپنی ذات سے لڑیں جو اپنے حریف کو مارے وہی مستقل ہو جائے۔ عمرو بن العاص نے معاویہ سے کہا بات تو ٹھیک کہ رہے ہیں انھوں نے جواب دیا یہ تمھارا ظلم ہے تم جانتے ہو کہ اونکے مقابلہ میں جو آیا مارا گیا۔ عمرو نے کہا اونکے مقابلہ سے تمھارا ٹل جانا بے موقع ہے کہا اس سے تمھارا مطلب معلوم ہو گیا تم

شجاعت علی کرم اللہ وجہہ

تم چاہتے ہو کہ مجھے کھپا کر آپ حکومت کے مزے اُڑائیں یہ معاف کیجئے۔ اور اوسی میں لکھا ہے
کہ جب معرکۂ صفین میں اہل شام کی فوج کثیر نے علی کرم اللہ وجہہ کے میمنہ لشکر پر حملہ کیا اور
اونکے پاؤں اکھڑے اور میدان خالی ہوگیا تو حضرت پا پیادہ میسرہ کی طرف روانہ ہوئے
اوسوقت تینوں صاحبزادے آپکے ہمراہ تھے ہرطرف سے تیرونکی بوچھاڑ آپ پر ہونے لگی
ابو سفیان کا غلام جس کا نام احمر تھا حضرت پر لپکا آپکا غلام کیسان نام اوسکے مقابل ہوا
بعد معرکہ آرائی کے احمر غالب آیا حضرت آگے بڑھے اور اوسکو پکڑنا چاہا وہ بھاگا مگر اوسکی
ذرہ آپ کے ہاتھ میں آگئی اوسی سے اوسکو سرتک اوٹھا کر زمین پر ایسا دے مارا کہ اوسکے
دونوں مونڈھے اور بازو ٹوٹ گئے۔ اور اودھر میسرہ کی فوج سے بھی ایک قبیلہ شکست
کھا کر بھاگا اور میدان خالی ہوگیا۔ شامیوں نے جب آپ کو اس حالت میں دیکھا ہرطرف سے
ٹوٹ پڑے امام حسن علیہ السلام نے عرض کی کہ حضرت دوڑ کر اپنے لوگوں میں جاملیں تو
بہتر ہوگا فرمایا تمھارے باپ کے لئے ایک روز معین ہے نہ دوڑنے سے اوسمیں دیر
ہوگی نہ چلنے سے وہ جلد آجائے گا خدا کی قسم تمھارے باپ کو اسکی کچھ پروا نہیں کہ وہ موت
پر واقع ہوں یا موت اون پر واقع ہو۔ اب کھلے کہ جن کی پیرانہ سری میں یہ حالت ہو تو
عین شباب کے زمانہ میں کیا حال ہوگا۔

مروج الذہب وغیرہ میں لکھا ہے کہ ابوذر رضی اللہ عنہ ایک روز عثمان رضی اللہ عنہ
کی مجلس میں حاضر ہوئے آپنے حضار مجلس سے پوچھا کہ اگر کسی نے اپنے مال کی زکوٰۃ پوری
ادا کی تو کیا اوس مال سے پھر اور کوئی حق متعلق ہوگا؟ کعب احبار رحمۃ اللہ علیہ نے کہا
نہیں یا امیر المومنین۔ یہ سنتے ہی ابوذر رضی اللہ عنہ نے ایک چپت اونکے لگائی اور کہا

اے یہودی کے لونڈے! تو جھوٹ کہتا ہے اور یہ آیت پڑھی لیس البران تولوا

واقعہ اخراج ابوذر رضی اللہ عنہ

وجوهکم قبل المشرق والمغرب الآیة اسکے بعد عثمان رضی اللہ عنہ نے پوچھا کیا
تم لوگ اس بات میں کوئی حرج سمجھتے ہو کہ جو واقعات ہم پر پیش ہوتے ہیں اونکے لئے بیت المال
سے کچھ مال لیکر خرچ کریں اور مسلمانوں کو بھی دیں؟ کعب احبار رح نے کہا کچھ مضایقہ نہیں
ابوذر رضی اللہ عنہ نے یہ سنتے ہی فوراً ایک لاٹھی اونکو دے ماری اور کہا اے یہودی کے
لونڈے! تجھے اتنی جرأت ہوئی کہ ہمارے دین کے مسئلے بنانے لگا۔ عثمان رضی اللہ عنہ کو اونکی
ان بے موقع حرکتوں سے سخت رنج ہوا اور فرمایا کہ تم مجھے بہت ایذا پہونچانے لگے۔ مناسب
یہ ہے کہ یہاں سے اور کہیں چلے جاؤ چنانچہ وہ شام کو چلے گئے۔ چونکہ آپ کو اسپر اصرار تھا کہ ہر
مسلمان کو ضرور ہے کہ اپنا کل مال راہ خدا میں صرف کر کے فقیر بنا رہے وہاں بھی اسی قسم کے
مناظرے مباحثے ہونے لگے اور لوگ کچھ تو استفادہ کی غرض سے اور کچھ چھیڑ کر باتیں سننے
کیلئے آپکے پاس جمع ہوتے اور جہاں بیٹھتے وہاں ایک مجمع ہو جاتا۔ معاویہؓ نے اونکی شکایت
عثمان رضی اللہ عنہ کو لکھی کہ مجھے خوف ہے کہ ابوذر رضی اللہ عنہ کی تقریر سے لوگوں کے
خیالات آپ سے برگشتہ ہو جائیں۔ عثمان رضی اللہ عنہ نے اسکے جواب میں لکھا کہ اونکو مدینہ
بھیجدو۔ چونکہ معاویہؓ کو اونسے مخالفت ہو گئی تھی بطور سزا ایسے اونٹ پر سوار کر کے روانہ
کیا جسپر صرف لکڑیوں کا کجاوہ تھا جس سے آپکے پاؤں سخت زخمی ہوئے یہانتک کہ لوگوں
نے کہا شاید ان زخموں سے آپ مر جائینگے۔ کہا یہ ممکن نہیں جب تک میں کئی شہروں سے
نہ نکالا جاؤں۔ اسکے بعد بہت سے پیش آنیوالے واقعات بیان کر کے اپنی تجہیز و تکفین
و دفن کرنے والوں کے نام تک بتا دئے۔ اس اثنا میں ابو العاص کی اولاد کے بھی کچھ حالات
بطور پیشین گوئی بیان کئے۔ اتفاقاً اوسی روز عبد الرحمن بن عوف کے ترکہ کے دراہم عثمان
رضی اللہ عنہ کے روبرو لائے گئے جنکی ڈھیر قد آدم سے اونچی تھی۔ عثمان رضی اللہ عنہ نے

بطور ذکر محاسن فرمایا کہ عبدالرحمن اچھے شخص تھے مجھے امید ہے کہ اونکی حالت اچھی ہوگی کیونکہ وہ
صدقات دیتے اور مہمان داری کرتے تھے کعب احبار نے کہا کہ اے امیرالمومنین! آپ سچ
کہتے ہیں۔ یہ سنتے ہی ابوذر رضی اللہ عنہ نے ایک لاٹھی اونکے سر پر رسید کی اور کہا کہ اے
یہودی کے لونڈے! وہ شخص جو مرگیا اور اتنا مال چھوڑ گیا اوسکی نسبت تو یقینی طور پر کہتا ہے
کہ خدا نے خیر دنیا اور خیر آخرت اوسکو دی حالانکہ خود میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے
سنا ہے جو فرماتے تھے کہ مجھے یہ اچھا نہیں معلوم ہوتا کہ میں مروں اور ایک قیراط کے برابر مال چھوڑ دوں
عثمان رضی اللہ عنہ نے اونکی یہ حرکت دیکھکر کہا کہ اب آپ یہاں سے اور کہیں تشریف لیجائیں
کہا میں مکہ کو جاتا ہوں تاکہ خدا کے گھر سے فائدہ اوٹھاؤں اور عبادت میں مشغول ہوں یہانتک
کہ وہیں مرجاؤں۔ کہا یہ نہیں ہوسکتا۔ کہا شام کو جاؤں۔ فرمایا نہیں کہا بصرہ کو۔ کہا ان
شہروں کے سوا اور کوئی مقام تجویز کیجئے کہا اگر مجھے دارالہجرت یعنے مدینہ ہی میں رہنے دیں تو
پھر مجھے کسی شہر کو جانے کی ضرورت نہیں اور جب آپ یہ نہیں چاہتے تو جہاں آپ کو منظور ہو روانہ
کردیجئے۔ فرمایا میں تمھیں ربذہ کو روانہ کرتا ہوں۔ یہ سنتے ہی اللہ اکبر کا نعرہ مارکر کہا صدق
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یعنے حضرت نے سچ فرمایا تھا۔ عثمان رضی اللہ عنہ نے
پوچھا کہ حضرت نے کیا فرمایا تھا؟ کہا میں مکہ اور مدینہ سے روکدیا جاؤنگا اور ربذہ میں مرونگا
اور میری تجہیز و تکفین کے متکفل وہ لوگ ہونگے جو عراق سے حجاز کو جاتے ہونگے۔ اسکے بعد
ابوذر رضی اللہ عنہ نے اپنا اونٹ منگوایا اور اپنی بیوی اور صاحبزادی کو اوسپر سوار کرکے
ربذہ کی طرف روانہ ہوے۔ عثمان رضی اللہ عنہ نے مروان کو اونکے ساتھ کردیا اور فرمایا
کہ اون سے کسی کو ملنے نہ دو۔ جب وہ شہر کے باہر ہوے تو علی کرم اللہ وجہہ کو یہ کیفیت معلوم
ہوئی آپ اپنے دونوں صاحبزادوں اور بھائی عقیل اور عبداللہ بن جعفر اور عمار بن یاسر کو

ہمراہ لیکر اونکی مشایعت کے لئے تشریف لیگئے مروان حائل ہوکر کہا کہ اے علی! امیر المومنین نے مجھے حکم دیا ہے کہ کسی کو اون سے ملنے اور مشایعت کرنے ندوں۔ علی رضی اللہ عنہ نے غصہ سے اوسکی سواری کے جانور کو زدرسے کوڑا مار کر فرمایا ہٹ کمبخت خدا تجھ کو آگ میں ڈالے پھر اوسکی کچھ پرواہ نہ کرکے تھوڑی دور تک ابوذر رضی اللہ عنہ کے ساتھ گئے اور رخصت کرکے واپس تشریف لائے۔ ادھر مروان نے جاکر یہ کل واقعات عثمان رضی اللہ عنہ سے کہدیا۔ عثمان علی کرم اللہ وجہہ کی اس حرکت سے سخت ناخوش ہوئے۔ لوگوں نے علی کرم اللہ وجہہ سے کہا۔ کہ امیر المومنین آپ پر نہایت غصہ میں ہیں۔ آپنے فرمایا اونکا غصہ ایسا ہے جیسے گھوڑا لگام پر غصہ کرتا ہے پھر تھوڑی دیر کے بعد آپ عثمان رضی اللہ عنہ کے یہاں تشریف لیگئے انھوں نے کہا اے علی! تم نے جو مروان کے ساتھ کیا اور مجھ پر جرأت کی اور میرے فرستادہ شخص کو اور میرے حکم کو رد کردیا اسکی کیا وجہ ہے؟ علیؑ نے کہا مروان مجھے پھیرنا چاہتا تھا میں نے اوس کو پھیر دیا۔ آپکے حکم کو نہیں رد کیا عثمانؓ نے کہا تمھیں یہ معلوم نہ تھا کہ میں نے اوسکو حکم دیا تھا کہ کسی کو ابوذر سے ملنے ندے۔ علی کرم اللہ وجہہ نے کہا کیا تم جس بات کو طاعت الٰہی سمجھکر حکم دیں وہ حق ہے اور اسکے خلاف باطل ہے؟ کیا ایسی باتوں میں بھی ہم تمھاری اطاعت کرینگے؟ خدا کی قسم یہ تو کبھی نہوگا۔ عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا مروان کا بدلہ دو کہ جس طرح تم نے اوسکے جانور کو مارا ہے وہ بھی تمھارے جانور کو مارے۔ علیؑ نے کہا اوسکا جانور میرا ہی جانور ہے کیونکہ اوس کو مارا کرے۔ اور خیال رہے کہ اگر وہ مجھ سے سخت کلامی کریگا تو میں اوسی قسم کی سخت کلامی تم سے کرونگا۔ پھر اس قسم کی سخت کلامیاں طرفین سے ہوئیں جس سے عثمان رضی اللہ عنہ کا چہرہ سرخ ہوگیا اور اُٹھکر گھر میں چلے گئے اور علی کرم اللہ وجہہ اپنے گھر تشریف لائے انتہی ملخصاً۔

ناسخ التواریخ میں بھی یہ واقعہ مع شئے زاید تفصیل لکھا ہے جس سے ظاہر ہے کہ شیعہ اور سنی

دونوں اس واقعہ کے قائل ہیں۔ اب غور کیجئے کہ مروان علاوہ اسکے کہ عثمانؓ کا قرابتدار تھا اونکا وزیر بھی سمجھا جاتا تھا ایسے شخص پر حملہ کرنا کوئی معمولی بات نہیں وزیر پر اس قسم کا حملہ کرنا وہ بھی ایسی حالت میں کہ بادشاہ وقت کے حکم کی تعمیل کر رہا ہو اور اوسکو تعمیل سے روکدینا گیا ہو کیا ہوسکتا ہے؟ یہ اسد اللہ الغالب ہی کی شان تھی کہ ایک ادنی معاملہ میں جو ایک مسلمان شخص کی رشاعت سے متعلق تھا خلیفۂ وقت سے بگاڑ لیا۔ کیا اسکے بعد بھی یہ قرین قیاس ہوگا کہ آپنے دبکر خلافت چھوڑ دی۔ اور اپنی صاحبزادی کے نکاح کے معاملہ میں خاموش ہو گئے جس کا حال انشاء اللہ تعالی آیندہ معلوم ہوگا۔

چونکہ یہ مسئلہ ایک معرکۃ الآرا رہے اسلئے اگر مقصود سے زائد بھی اسمیں خامہ فرسائی کیجائے تو بیموقع نہو گی۔ ابو ذر رضی اللہ عنہ کا اسطرح نکالا جانا گو مسلمانوں کے دلوں پر ایک برا اثر ڈالتا ہے مگر اوسکے ساتھ یہ بھی دیکھ لیا جائے کہ اونکا یہ اجتہاد کہ ہر مسلمان کا فقیر رہنا ایک ضروری امر ہے اوسکا اثر کس قدر برا ہوتا۔ تھوڑے لوگ فقیر پسند اور خوش اعتقاد تو اونکی مان لیتے اور ایک جماعت ہمخیال بن جاتی مگر یہ ممکن نہیں کہ سب اونکے سے ہو جائیں کیونکہ اون کی طبیعت خاص قسم کی تھی جیسا کہ اس حدیث شریف سے معلوم ہوتا ہے جو استیعاب میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت میں ابو ذر عیسی علیہ السلام کے زہد پر ہیں اس تخصیص سے ظاہر ہے کہ سب اونکے جیسے زاہد نہیں ہوسکتے تھے۔ اس صورت میں ایک بڑی جماعت اونکے مخالف ہو جاتی کیونکہ نہ قرآن شریف میں ہے نہ حدیث میں کہ ہر آدمی فقیر بنا رہے اگر یہی بات ہوتی تو زکوٰۃ کا حکم ہی نہ ہوتا کیونکہ زکوٰۃ تو جب واجب ہو کہ ایک سال تک مال نصاب ملک میں رہے اوسوقت اوسکا چالیسواں حصہ دینے کا حکم ہے اور قطع نظر اسکے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بھی اغنیاء موجود تھے چنانچہ خود عثمان رضی اللہ عنہ

ابو ذر کا اجتہاد کہ مسلمان فقیر رہیں

اتنے مالدار تھے کہ پورے لشکر کا سامان کر دیا جس سے حضرت نہایت خوش ہوئے اگر یہ شخص فقیر بنا
ضرور رہتا تو حضرت اون پر خفا ہو جاتے کہ تم نے اتنا مال کیوں رکھا۔ غرضکہ غنا پسند بھی ایک
جماعت بنجاتی اور دونوں جماعتوں میں سخت ناچاقی ہوتی کیونکہ ابو ذر رضی اللہ عنہ تو مغلوب الغیظ
تھے بغیر لاٹھی کے بات ہی نہیں کرتے تھے پھر طرفین سے لاٹھی چلتی تو اوسکے بعد شمشیر کی نوبت بھی
پہونچ جاتی اسی فتنہ و فساد کے لحاظ سے عثمان رضی اللہ عنہ نے اونکو شہروں سے علیحدہ کر دیا
اور ایسی جگہ تجویز کی کہ وہاں غنی کا گذر ہی نہو۔ اگر غور سے دیکھا جائے تو اسکی بھی اصل کچھ
اور ہی ہے وہ یہ ہے کہ تقدیر الٰہی جاری ہو چکی تھی کہ وہ ربذہ میں رہیں چنانچہ خود انھوں نے
تصریح کر دی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اونسے کہچکے تھے کہ وہ ربذہ میں رہیں گے اُس
پیشین گوئی کے پوری ہونیکے لئے اونسے ایسے امور وقوع میں آئے کہ ضرورت تھی کہ عثمان رضی اللہ عنہ
مجبور ہو کر کہیں روانہ کر دیں۔ پھر اوس مقام کی تعیین میں نہ اونکی درخواست تھی نہ اور کوئی
سبب بلکہ منجانب اللہ اون پر القاء ہو گیا۔ ورنہ عجم یا افریقیہ کے کسی جنگل میں روانہ کر دیتے۔
غرضکہ ہوتا وہی ہے جو منظور الٰہی ہے اور ظاہر میں اسباب قائم کر دیے جاتے ہیں۔ اسی پر جتنے
وقائع صحابہ کے زمانہ میں پیش آئے سب کو قیاس کر لیجئے۔

حال وفات ابوذرؓ

اب ابو ذر رضی اللہ عنہ کی وفات کا حال بھی سن لیجئے۔ تاریخ کامل میں لکھا ہے کہ ۳۲ھ
میں جب آپکے انتقال کا وقت قریب پہونچا تو آپنے اپنی صاحبزادی سے فرمایا کیا کوئی آتا ہوا
نظر آرہا ہے؟ کہا نہیں۔ فرمایا ابھی میرا وقت نہیں آیا پھر فرمایا ایک بکری ذبح کر کے اوسکا
گوشت پکالو اور فرمایا کہ قریب میں صلحاء کی ایک جماعت آئیگی اور وہ لوگ مجھے دفن کرینگے
جب وہ دفن سے فارغ ہو جائیں تو اونسے یہ کہنا کہ ابو ذر آپ لوگونکو قسم دیگئے ہیں کہ جبتک
آپ کھانا نہ کھائیں سوار نہوویں۔ جب گوشت پک گیا فرمایا دیکھو تو کوئی آتا ہوا نظر آتا ہے؟

عرض کی جی ہاں کئی سوار آرہے ہیں فرمایا اب مجھے قبلہ رو بٹھا دو جب بٹھا دیئے گئے تو یہ الفاظ
کہے بسم اللہ و باللہ و علی ملۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
اور یہ جملہ ختم ہوتے ہی روح پاک عالم علوی کی طرف پرواز کر گئی اور انتقال ہو گیا صاحبزادی
اوس جماعت کی طرف گئیں اور اونسے کہا کہ خدا آپ لوگوں پر رحم کرے ابوذر کی تجہیز و تکفین
کردیجئے کہا وہ کہاں ہیں اشارہ سے بتلادیا اونھوں نے کہا الحمد للہ خدائے تعالی نے ہمیں
یہ کرامت بخشی کہ ہم اونکی نماز میں شریک ہو گئے۔ اوس جماعت میں عبد اللہ بن مسعود وغیرہ
کئی صلحا تھے ابن مسعودؓ نے رو کر کہا کہ سچ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ یموت
وحدہ و یبعث وحدہ یعنے ابوذر تنہا مرینگے اور تنہا اوٹھیں گے پھر غسل دیکر اونکو کفن دیا
اور نماز پڑھی اور دفن کرکے جب جانے لگے تو صاحبزادی نے فرمایا کہ انھوں نے آپکو قسم دی ہے
کہ یہاں کھانا کھا کر جائیں چنانچہ کھانا بھی تیار ہے انھوں نے خوشی سے قبول کیا اور بعد فراغت
روانہ ہوئے۔

کلام علی کرم اللہ وجہہ کی شجاعت میں تھا اور واقعہ مذکورہ سے ثابت ہو گیا کہ چھوٹے چھوٹے
اجتہادی امور میں بھی آپ پر خلیفۂ وقت کا رعب نہیں ہوتا تھا اور سلطنت کے مقابل ہو جاتے تھے۔
ناسخ التواریخ صفحہ (۱۸۴) میں لکھا ہے کہ جنگ صفین میں صرف ایک رات جو اپنے
ہاتھ سے لشکر شام کو علی کرم اللہ وجہہ نے قتل کیا بروایت سمعانی معاویہ رضی اللہ عنہ کے
قول سے ثابت ہے کہ وہ نوسو سے زیادہ آدمی تھے۔ ۹۰۰
اب خیال کیجئے کہ نوسو آدمی کم نہیں ہوتے اگر بلا مزاحمت اتنے آدمیونکو کوئی شخص باندھکر
قتل کرے تو بھی اوس کا ہاتھ یاری نہ دیگا۔ پھر عین معرکۂ جنگ میں اور وہ بھی ایسے وقت
کہ ایک فوج جرار کا مقابلہ ہو جسمیں سے ہر شخص کا یہ خیال کہ اگر آپکو مارلے تو فیصلہ ہو جائے

اور ہر طرف سے شمشیر و تیر کا مینہ برس رہا ہو ایسی حالت میں اپنے آپ کو بچا کر اتنے لوگوں کو قتل کرنا کیا سوائے اسد اللہ الغالب کے دوسرے سے ممکن ہے؟ ہرگز نہیں۔ اسمیں کوئی شبہ نہیں کہ حضرت آیۃ من آیات اللہ تھے۔

مواہب لدنیہ اور اوسکی شرح زرقانی میں یہ روایت منقول ہے کہ علی کرم اللہ وجہہ نے جنگ خیبر میں قلعہ کا دروازہ اکھاڑ کر اوس سے سپر کا کام لیا وہ دروازہ اتنا سنگین تھا کہ ستر آدمیوں نے بڑی مشقت سے اوسکو حرکت دی۔ دیکھئے قلعہ کا دروازہ اتنا بڑا کہ ستر آدمیوں سے ہل نہ سکے وہ بھی پڑا ہوا نہیں بلکہ اپنی جگہ پر منصوب اوسکو اکھاڑ کر سپر بنانا کیا معمولی طاقت انسانی کا کام ہے؟ ہرگز نہیں۔

ناسخ التواریخ میں لکھا ہے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ مقام رفیع میں لب فرات اپنے لشکر میں بیٹھے تھے کہ علی کرم اللہ وجہہ کا لشکر پہونچا۔ معاویہؓ نے عمرو بن العاصؓ سے کہا کہ دیکھو ابوالحسن کا لشکر نہایت آراستہ و پیراستہ چلا آرہا ہے۔ عمرو بن العاصؓ نے کہا اے معاویہ! اب آمادہ جنگ ہو جاؤ سخت مصیبت کا سامنا ہے تم نہیں جانتے کہ علی بن ابی طالب کیسے شخص ہیں خدا کی قسم اگر تمام لشکر شام ایک دل ہو کر اونکا مقابلہ کرے اور وہ تن تنہا ہوں تو بھی اونکو کچھ خوف نہو گا اور بلاخوف و ہراس وہ سب سے لڑینگے اور فتح پائیں گے۔ معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا یہ درست ہے مگر آدمی کو چاہئے ہمت نہ ہارے۔ دیکھئے دشمن جب آپکی اسقدر شجاعت مان گئے ہوں تو فی نفسہ کیا حال ہوگا۔ نہج البلاغۃ صفحہ (۵۴) میں علی کرم اللہ وجہہ کا قول نقل کیا ہے واللہ لو تظاھرت العرب علی قتالی لما ولیت عنھا یعنے خدا کی قسم اگر تمام عرب ایک دوسرے کی مدد کرکے مجھ سے جنگ کرنا چاہیں تو میں ہرگز اونسے منہ نموڑونگا انتہی۔ اب کہئے کیا اس شجاعت کا یہ لازمہ ہو سکتا ہے کہ کوئی اپنا حق شرعی چھین لے اور منہ

دیکھتے رہ جائیں؟ یا اپنی صاحبزادی کو معاذ اللہ کوئی غصب کرلے اور دم نہ مار سکیں۔ غرضکہ
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ ہی سے آپکی معرکہ آرائیاں اور کارہائے نمایاں اس درجہ
تک پہونچ گئے تھے کہ آپکی شجاعت شہرۂ آفاق تھی۔ اب کہئے کیا ایسے شجیع اور زور آور شقدر
نعوذ باللہ بزدل ہوئے ہونگے؟ کہ معاذ اللہ عمر رضی اللہ کی اوس ناشایستہ حرکت سے کچھ
جنبش نہ ہوئی ہوگی؟ اور کیا امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے یہ اقرار کرلیا ہوگا کہ ہمارے
خاندان کی........ کا معاذ اللہ یہ پہلا غصب تھا؟ جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اوسکے
بعد معاذ اللہ اس فعل شنیع کا سلسلہ قایم ہوگیا اور کئی....... معاذ اللہ غصب ہوئے۔
انصاف کی بات یہ ہے کہ جس شخص کی نظر کتب تواریخ میں اہل بیت کرام کے حالات پر پڑی ہو
وہ کبھی ان روایتوں کو صحیح نہیں سمجھ سکتا گو کسی مذہب وملت کا آدمی ہو میری دانست
میں اس قسم کی روایتوں کا موجد اور باعث عبداللہ بن سبا معلوم ہوتا ہے جسکی بے دینی
اور فتنہ انگیزی اور الحاد وزندقہ حضرات شیعہ اور اہل سنت کے نزدیک مسلم ہے۔

ناسخ التواریخ کی جلد سوم صفحہ (۶۱۶) میں لکھا ہے کہ علی علیہ السلام جب معجزہ ظاہر کرنے
اور غیب کی خبر دینے لگے تو ایک کوتاہ نظر جماعت اونکی الوہیت کی قائل ہوگئی۔ رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشتر ہی یہ خبر دی تھی کہ یھلک فیک محب غال ومبغض
غال یعنے فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اے علی! تم سے جو حد سے زیادہ محبت رکھے گا
وہ بھی ہلاک ہوگا اور جو حد سے زیادہ عداوت رکھے گا وہ بھی ہلاک ہوگا اور امیر المومنین
علیہ السلام بھی فرمایا کرتے تھے کہ یھلک فی رجلان محب مبطر یضعنی غیر موضعی
ومبدحتی بما لیس فی ومبغض مفتر یرمینی بما انا منہ بری یعنے میری
وجہ سے دو قسم کے لوگ ہلاک ہونگے ایک وہ دوست جو حق بات قبول نہ کرے اور جس مقام

ہیں میں نہیں ہوں اوسمیں مجھے قائم کرے اور جو باتیں مجھ میں نہیں ہیں وہ میری مدح میں بیان کرے
دوسرا بغض رکھنے والا مفتری جو ایسے الزام مجھ پر لگائے جن سے میں بری ہوں۔ امیرالمومنین
علیہ السلام جب قتل خوارج سے فارغ ہوکر واپس آرہے تھے تو ایک جماعت کو دیکھا کہ ماہ
رمضان میں کھانے پینے میں مشغول ہیں اونسے پوچھا کیا تم مسافر ہو؟ یا بیمار ہو؟ کہا دونوں
نہیں فرمایا اگر اہل کتاب سے ہو تو جزیہ دیکر ان مواخذوں سے چھوٹ جاؤ کہا ہم اہل کتاب
نہیں ہیں عبداللہ بن سبا جو فرقۂ غالیان شیعہ کا پہلا شخص ہے اوس نے کہا کہ انت انت
یعنے آپ آپ ہی ہو یعنے ہم جانتے ہیں کہ آپ کچھ اور ہی ہو مطلب یہ کہ آپ خدا ہو امیرالمومنین
علیہ السلام عملی طور پر اپنی عبودیت ثابت کرنیکے لئے سواری سے اوترے اور زمین پر سجدہ کیا
پھر فرمایا اے کم بختو! میں بھی خدا کا ایک بندہ ہوں خدا سے ڈرو اور تجدید اسلام کرو اون لوگو
نے انکار کیا پھر آپنے یہی فرمایا مگر اونھوں نے قبول نہ کیا آخر آپ سوار ہوے اور حکم دیا کہ
اونکی مشکیاں باندھکر مقام تک لے چلیں جب منزل کو پہونچے تو فرمایا نزدیک نزدیک دو
گڑھے کھودے جائیں ایک کھلا ہوا دوسرا بند اور دونوں کے بیچ میں راستہ رہے پھر جو گڑھا
بند تھا اوسمیں اوس جماعت کو داخل کرکے بازو کے گڑھے میں لکڑیاں سلگائیں جس کا دھواں
اوس گڑھے میں بھر گیا مگر اس عذاب کا اون پر کچھ اثر نہوا اور باوجودیکہ بار بار اونکو کہا جاتا
تھا کہ توبہ کرلو تو تمھیں چھوڑ دیتے ہیں مگر اونھوں نے اوس پر کچھ توجہ نہ کی یہانتک کہ جب آگ
کی حرارت سخت ہوئی اور موت اونکی آنکھوں میں پھر گئی تو اوسوقت امیرالمومنین سے خطاب
کرکے کہا کہ اب ہمیں یقینی طور پر ظاہر ہوگیا کہ آپ اللہ ہو کیونکہ آپکے چچیرے بھائی جن کو آپنے
نبی بنا کر بھیجا تھا اونھوں نے کہا ہے کہ سوائے رب النار کے یعنے اللہ کے کوئی دوسرا آگ
سے عذاب نہ دے اور جب آپ آگ سے عذاب کر رہے ہیں تو ثابت ہوگیا کہ آپ اللہ ہو

الوہیت علی علیہ السلام
احراق غالیین

اور یہی کہتے ہوے جلکر خاک سیاہ ہوگئے لیکن ابن عباس رضی اللہ عنہ اور ایک جماعت نے
عبداللہ بن سبا کی سفارش کی کہ وہ اپنے کئے پر نادم ہوگیا ہے معاف کردیا جائے آپنے انکی سفارش
اس شرط پر قبول کی کہ وہ کوفہ میں نہ رہے بلکہ مدائن کو چلا جائے چنانچہ وہ چلا گیا اور مدائن ہی میں تھا پھر
جب امیر المومنین علیہ السلام شہید ہوے تو اپنے اعتقادات کو ظاہر کرنا شروع کیا اور لوگ اوسکی
پیروی کرنے لگے چنانچہ امیر المومنین علیہ السلام کی شہادت کے بعد کہا کہ خدا کی قسم اگر تم تھیلیوں
میں علی علیہ السلام کا دماغ لاؤگے تو بھی ہم یقین نہ کرینگے کہ وہ مرگئے وہ ہرگز نہ مرینگے جبتک کہ
عرب کو ایک لکڑی سے نہ ہانکیں گے انتہی ملخصاً۔

اس سے ثابت ہے کہ اوس جماعت کا سرغنہ اور مقتدا عبداللہ بن سبا تھا جو آگے بڑھکر
علی کرم اللہ وجہہ سے ہمکلام ہوا اور چند لوگوں کو اس غرض سے قتل کرادیا کہ عوام الناس مسلمانوں
کے نزدیک آپکی الوہیت صرف اس دلیل سے مسلم ہوجائے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جانداروں کو
آگ میں جلانے سے منع فرمایا تھا کیونکہ دوزخ میں جلاکر عذاب دینا صرف خدا تعالی ہی کا کام ہے
کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ صرف اس دلیل سے کسی کی الوہیت ثابت ہوجائیگی ؟ مگر اوس نے دیکھا کہ
جب اتنے لوگ (جنکی تعداد ستر تھی جیسا کہ بحار الانوار میں لکھا ہے ص۳۴۴) حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی
محبت کا اظہار کرکے جرم عشق میں مارے جائینگے اور موت بھی کیسی ؟ جو بحسب حدیث الوہیت
پر دلیل بنائی گئی تو یہ واقعہ بغیر اثر کئے نہ رہے گا۔ چونکہ طبائع مختلف ہوتے ہیں بعضے سادہ لوح تو
آپکی الوہیت ہی کے قائل ہوجائینگے اور بعض یہ سمجھ جائینگے کہ انھوں نے فرط محبت سے خدا
کہدیا اقلاً نبوت میں تو ضرور شریک ہونگے جیسے ہارون علیہ السلام موسی علیہ السلام کی نبوت
میں شریک تھے اور بعضے اس افراط کو بھی پسند نہ کرینگے تو اسکے تو ضرور قائل ہونگے کہ آپ وصی
ہونے کی وجہ سے خلیفۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ضرور تھے۔ غرضکہ یہ شخص بڑا ہی ہوشیار تھا

ابن سبا کی کوشش اثبات الوہیت علی میں

ص ۳۴۴
جن امور کو پیش نظر رکھا تھا اونکا ویسا ہی ظہور ہوا چنانچہ بحار الانوار میں قائلین الوہیت علی
کرم اللہ وجہہ کے قتل و احراق کا واقعہ بیان کرکے لکھا ہے ثم احیا ذالک رجل اسمہ
محمد بن نصیر النمیری البصری ان اللہ لم یظہر الا فی ھذا العصر و انہ
علی وحدہ فالشرذمۃ النصیریۃ ینتمون الیہ وھم قوم اباحیۃ ترکوا
العبادات والشرعیات واستحلوا المنہیات والمحرمات ومن مقالتہم
ان الیہود علی الحق ولسنا منہم والنصاری علی الحق ولسنا منہم
یعنے فرقہ نصیریہ جو محمد بن نصیر کی طرف منسوب ہے وہ قائل ہے کہ اللہ تعالی اس زمانہ میں ظاہر ہوا
اور علی اللہ تھے اون لوگوں نے عبادت اور شریعت کو بالکل ترک کردیا اور تمام محرمات اور
منہیات کو حلال کردیا انکا قول ہے کہ یہود و نصاری سب حق پر ہیں مگر ہم وہ لوگ نہیں انتہی۔

اس فرقہ نے بھی ابن سبا کی تقلید کی کیونکہ ابھی معلوم ہوا کہ جو لوگ آپکی الوہیت کے
قائل تھے جنکو آپنے قتل کیا وہ رمضان میں علانیہ کھاتے پیتے تھے۔

ابن سبا ظاہرا مسلمان تو ہوگیا تھا مگر اوسکو مسلمان ہرگز نہیں کہہ سکتے یقیناً وہ یہودی اور
منافق تھا کیونکہ کوئی مسلمان یہ نہیں کہہ سکتا کہ علی رضی اللہ عنہ خدا تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
کو آپنے نبی بناکر بھیجا تھا جسکے وہ اور اوسکے کمیٹی کے لوگ قائل تھے۔ بحار الانوار صفحہ (۵۴۳)
میں بسند یہ روایت کیا ہے عن عبد اللہ بن سنان عن ابیہ عن ابی جعفر علیہ السلام
ان عبد اللہ بن سبا کان یدعی النبوۃ ویزعم ان امیر المومنین علیہ السلام
ھو اللہ تعالی عن ذلک یعنے ابو جعفر علیہ السلام فرماتے ہیں کہ عبد اللہ بن سبا نبوت کا
دعوی کرتا تھا اور کہتا تھا کہ امیر المومنین علی علیہ السلام اللہ ہیں تعالی اللہ عن ذلک علواً کبیراً
اور بحار الانوار صفحہ (۵۴۴) میں یہ روایت بھی ہے عن ابان بن عثمان قال سمعت

اباعبداللہ علیہ السلام یقول لعن اللہ عبداللہ بن سبا ادعی الربوبیۃ فی امیر المومنین یعنے ابان بن عثمان کہتے ہیں کہ ابوعبداللہ امام حسین علیہ السلام سے میں نے سنا ہے جو فرماتے تھے کہ خدا عبداللہ بن سبا پر لعنت کرے کہ امیر المومنین علیہ السلام کی ربوبیت کا قائل تھا۔

الحاصل کتب شیعہ سے بھی ثابت ہے کہ عبداللہ بن سبا یہودی تھا اور اہل بیت رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اوس پر لعنت کی ہے اور علی کرم اللہ وجہہ نے اوسکو جلانے کا حکم دیا تھا کیونکہ اگر تھوڑی محبت بھی اوسکو ہوتی تو وہ قابل لعنت نہ ہوتا بلکہ بمقتضائے احادیث محبت اہل بیت مرحوم اور محبوب ہوتا۔ اب آپ سمجھ سکتے ہیں کہ جو دشمن دوستی کے پیرایہ میں ظاہر ہوتا ہے وہ کس قدر فتنہ انگیز اور قابو جو ہوتا ہے اور بدنامی کے کیسے کیسے تدابیر سوچتا ہے؟ اسی دشمنی کا یہ اثر تھا کہ اس قسم کے روایتیں تراشیں۔ جنمیں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی نسبت یہ الزام قائم کردیا کہ خلیفۂ وقت نے زبردستی آپ کی صاحبزادی کو نعوذباللہ چھین لیا اور غصب کیا اور آپ منہ دیکھتے رہ گئے۔ کیا کوئی مسلمان اوس زمانہ میں یہ الزام اسداللہ الغالب پر لگا سکتا تھا؟ معاذاللہ حضرت تو کیا حضرت کے غلام از خود رفتہ ہوکر معلوم نہیں اوسکا کیا انجام کرتے؟ اس سے ثابت ہے کہ اس قسم کی روایتیں آپ کی وفات کے بعد کی بنائی ہوئی ہیں اوس یہودی کو نہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی محبت سے کام تھا نہ عداوت سے بلکہ اوسکی اصل دشمنی یہودیت کی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور دین اسلام کے ساتھ تھی۔ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی محبت کو شکار کی ٹٹی بنا کر مختلف طریقوں سے عداوت کا اظہار کیا دیکھئے باوجودیکہ ابن سبا کا یہودی اور ملعون ہونا خود حضرات شیعہ کی تصریحات سے ثابت ہے مگر اوس زمانہ کے بعض بھولے مسلمان اوسکے دام میں آگئے چنانچہ ناسخ التواریخ

ابھی معلوم ہوا کہ علی کرم اللہ وجہہ کی شہادت کے بعد اوس نے اپنے عقیدہ کو ظاہر کرنا شروع کیا
اور لوگ اوسکی پیروی کرنے لگے خدا ایسے لوگوں سے محفوظ رکھے کہ اچھوں کے لباس میں آکر بگاڑ
پھیلاتے ہیں اور مسلمانوں کے دین و دنیا کو غارت کرتے ہیں مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں شعر

اے بسا ابلیس آدم روئے ہست		پس بہر دستے نباید داد دست	

نہج البلاغۃ جلد دوم صفحہ (۱۸) میں علی کرم اللہ وجہہ کا قول نقل کیا ہے قال لی
رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم انی لا اخاف علی امتی مومنا ولا
مشرکا اما المومن فیمنعہ اللہ بایمانہ واما المشرک فیقمعہ اللہ
بشرکہ ولکنی اخاف علیکم کل منافق الجنان عالم اللسان
یقول ما تعرفون ویفعل ما تنکرون یعنے علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا کہ مجھے اپنی امت پر کسی مومن اور مشرک سے خوف نہیں ہے
اسلئے کہ مومن کو اوس کے ایمان کی وجہ سے خدا تعالی گمراہ کرنے سے روکدیگا اور مشرک کے
فساد کو اوسکی شرک کی وجہ سے اکھیڑ دیگا (کیونکہ لوگ جب جان لیں گے کہ وہ مشرک ہے تو وہ
اوسکے دام میں نہ آئیں گے) لیکن اے مسلمانو! مجھے خوف ہے تو ایسے لوگوں سے ہے جن کے
دل میں نفاق ہو یعنے منافق ہوں اور زبان سے ایسے علم کی باتیں کہیں جو تم جانتے ہو
اور کام ایسے کریں جو تم جانتے نہیں انتہی۔ خاص علی کرم اللہ وجہہ سے یہ ارشاد فرمانے کی
وجہ یہی معلوم ہوتی ہے کہ ابن سبا کے طرف اشارہ مقصود تھا کیونکہ اوس کا یہی حال تھا
کہ اہل بیت کی محبت ظاہر کرکے وہ کام کر رہا تھا کہ مسلمانوں کو گمراہ اور دین کو تباہ کرے
جس طرح پولس صاحب یہودی نے تقدس ظاہر کرکے عیسی علیہ السلام کے دین میں تفرقہ
ڈالا جسکا تھوڑا سا حال لکھا جاتا ہے۔

خوف از منافق عالم

علامۂ خیر الدین افندی الوسی نے الجواب الفسیح میں اسلامی و نصاری کے تواریخ سے
نقل کیا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کے رفع کے بعد جب عیسائیوں کی حقانی پراثر تقریریں یہود کے
دلوں کو اپنی طرف مائل کرنے لگیں اور یہودی جوق جوق عیسوی دین قبول کرنے لگے تو پولس صاحب
جو یہود کا بادشاہ تھا کل عیسائیوں کو شام کے ملک سے خارج کردیا مگر جب دیکھا کہ اس سے
بھی کچھ فائدہ نہوا اور عیسویت ویسی ہی ترقی پذیر ہے تو مجبور ہو کر ارکین دولت سے کہا کہ
یہ فتنہ روز افزوں ترقی کر رہا ہے اور اوسکے فرو ہونے کی کوئی تدبیر نہیں بنتی۔ اب میں ایک
راے سوچا ہوں خواہ وہ اچھی ہو یا بری تم میری موافقت کرو اونھوں نے قبول کیا اور
اوس نے معاہدہ لیکر سلطنت سے علیحدہ ہو عیسائیوں کا لباس پہن اونمیں چلا گیا۔
انھوں نے اس حالت میں اوسکو دیکھتے ہی خدا کا شکر یہ ادا کیا اور بہت کچھ آؤ بھگت کی
اوس نے کہا کہ اکابر قوم کو جلد جمع کرو میں کچھ اونسے کہنا چاہتا ہوں سب فوراً جمع ہو گئے
اوسوقت اوس نے یہ تقریر کی کہ جب تم لوگوں کو میں نے شام سے نکالدیا تو مسیح نے مجھ پر لعنت کی
اور میری سماعت۔ بصارت اور عقل سب چھین لی جس سے میں اندھا بہرا اور دیوانہ ہو گیا
اس حالت میں مجھے تنبہ اور یقین ہوا کہ بیشک سچا دین وہی ہے جس پر تم ہو۔ اب میں
بفضلہ تعالیٰ اپنے باطل دین اور دنیاے فانی کی سلطنت کو چھوڑ کر تمھاری رفاقت اور
فقر و فاقہ کو سعادت ابدی جانتا ہوں اور عہد کر لیا ہوں کہ بقیہ عمر توریت کی تعلیم اور
اہل حق کی صحبت میں بسر کروں۔ آپ صاحبوں سے میری اسقدر خواہش ہے کہ ایک چھوٹا سا
گھر بنا دو جسمیں میں عبادت کیا کروں اور اسمیں بجاے بستر راکھ بچھا دو۔ میں نہیں چاہتا
کہ عمر دو روزہ میں کسی قسم کی آسائش حاصل کروں یہ کہکر توریت کی تلاوت اور اوسکی تعلیم
میں مشغول ہو گیا۔

یہ امر پوشیدہ نہیں کہ اگر کسی بستی کا زمیندار ایسے حقانی پرجوش الہامی کلمات کہے اورحالت
موجودہ بھی کسیقدر اوسکی تصدیق کرتی ہو تو طبیعتوں میں ایک غیر معمولی جوش پیدا ہوجاتا ہے
چہ جائیکہ بادشاہ وقت سلطنت ترک کرکے زمرۂ فقراء میں داخل ہوجائے اور منشار اوسکا
ایک زبردست الہام بیان کرے جس نے تخت وتاج شاہی سے لباس فقر و بستر خاک پر قانع
کردیا اور حالت موجودہ بھی از سرتاپا اوسکی تصدیق کررہی ہو تو پھر اوس زمرۂ فقراء میں
کس کا دل ایسا ہوگا کہ جان ومال اوسپر فدا کرنے پر آمادہ نہو غرضکہ عبادت خانہ فوراً تیار
ہوگیا اور اوسمیں اوس نے عزلت اختیار کی دوسرے روز جب سب معتقدین جمع ہوے
تو دروازہ کھلا اور نہایت شان وشوکت سے برآمد ہوئے آنکھوں میں خمار لب پر آہ سرد۔
آنکھیں ڈبڈبائی ہوئی۔ حالت مستانہ اور نہایت پرجوش لہجہ میں تقریر شروع کی۔ اثنائے
تقریر میں کہا کہ ایک بات میرے خیال میں آتی ہے اگر مناسب سمجھو تو قبول کرو سب ہمہ تن
گوش ہوگئے۔ کیا جتنی جہان کو روشن کرنیوالی چیزیں عالم غیب سے آتی ہیں وہ اللہ کے حکم
سے آتی ہیں کیا یہ بات سچ ہے؟ سب نے کہا جی ہاں یقیناً سچ ہے کہا میں صبح وشام دیکھتا
ہوں کہ آفتاب ماہتاب وغیرہ نجوم وکواکب سب مشرق کی طرف سے نکلتے ہیں اس لئے
میری رائے میں قبلہ بنانیکے لئے مشرق سے بہتر کوئی سمت نہیں۔ نماز اسی طرف پڑھنی چاہئے
سب نے بطیب خاطر آمنا وصدقنا کہکر بیت المقدس کو خیرباد کہدیا جو تمام انبیا کا قبلہ تھا
جب نہایت آسانی سے یہ معرکہ طے ہوگیا تو پھر عبادت خانہ میں تشریف لیگئے اور دوروز تک
خلوت ہی میں تشریف رکھے تاکہ عشاق دیدار کی آتش شوق خوب مشتعل ہو سب معتقدین کو
سخت تشویش ہوئی اور تیسرے روز جب اونکا ہجوم ہوا تو برآمد ہوکر نئے نئے افادات وتحقیقات
شروع کئے اثنائے تقریر میں بعد تمہید فرمایا کہ مجھے ایک اور بات سوجھی ہے سب تحقیق جدید

سننے کے تو پہلے ہی سے مشتاق تھے یہ مژدہ سُن کر سنبھل بیٹھے اور ہمہ تن گوش ہوگئے فرمایا کیا یہ بات سچ ہے کہ جب کوئی معزز شخص کسی معمولی آدمی کے پاس ہدیہ بھیجے اور وہ قبول کرے تو اوسکی کسر شان ہوتی ہے؟ سب نے کہا بیشک نہایت درجہ کی کسر شان ہے۔ کہا جتنی چیزیں زمین و آسمان میں ہیں خدا تعالی نے سب تمھارے ہی لئے بنائی ہیں ایسے ہدیہ کو رد کر دینا یعنے بعضے اشیار کو حرام سمجھنا کیسی گستاخی ہے عقیدتمندی یہی ہے کہ جتنے چھوٹے بڑے حیوانات ہیں سب کو شوق سے کھانا چاہئے سب نے آمنا و صدقنا کہکر نہایت خوشی سے وہ بھی قبول کرلیا۔ جب اسمیں بھی کامیابی ہوگئی تو اُن مریدان راسخ الاعتقاد حق پسند کی تحسین و آفریں کرکے رونق افروز خلوت سرائے خاص ہوئے اور تین دن تک وہیں رہے جس سے عقیدت مندوں کو سخت پریشانی اور ملاقات کا نہایت شوق ہوا چوتھے روز دروازہ کھولکر مشتاقان دیدار کو تسلی دی اور پھر پوچھا کیا تم نے سنا ہے کہ کوئی آدمی مادرزاد اندھے کو بینا اور ابرص کو چنگا اور مُردوں کو زندہ کیا ہے؟ لوگوں نے کہا یہ ممکن نہیں۔ کہا دیکھو مسیح یہ سب کام کرتے تھے اس لیئے میں تو یہی کہونگا کہ مسیح آدمی تھا خود اللہ تعالی تھا جو چند روز تم لوگوں میں ظاہر ہوکر چھپ گیا یہ سنتے ہی خوش اعتقادوں کے نعرے آمنا و صدقنا کے ہر طرف سے بلند ہوے اور سوائے معدودے چند کے سب نے بالاتفاق کہدیا کہ بیشک مسیح آدمی نہ تھا۔ غرض تین ہی معرکوں میں اوس نے میدان مار لیا اور سب کو خسر الدنیا والآخرہ کا مصداق بنا کر ایک نئی سلطنت اور مذہب قایم کرلیا۔

یہ حیرت کا مقام ہے کہ اون سادہ لوحوں نے یہ بھی نہ پوچھا کہ حضرت آپ کو عیسائی ہونے کا دعوے ہے پھر یہ مخالف باتیں کیسی؟ آخر ہم بھی اپنے نبی کے کلام اور اونکے طریقے سے واقف ہیں کبھی اس قسم کی بات اون سے نہیں سنی اور اگر یہ الہامات ہیں تو جس نبی کے

امتی ہونیکا دعوے ہے اوسکے طریقہ کے مخالف الہام کیسے؟ بہرحال جدت پسند طبائع حسن ظن کرکے اوسکے مکروتزویر کے دام میں پھنس گئے۔ مگر ایک شخص کامل الایمان جسکا شمار اون لوگوں میں تھا جن کو اس زمانہ کی اصطلاح میں لکیر کے فقیر کہا کرتے ہیں اٹھ کھڑا ہوا اور سب کو مخاطب کرکے کہا تم پر خدا کی مار اتنا بھی نہیں سمجھتے کہ یہ کمبخت تمھارا دین بگاڑنے کو آیا ہے ہم نے خود مسیح علیہ السلام کو دیکھا ہے کبھی اون سے اس قسم کی باتیں نہیں سنیں مگر ایک شخص کا کہنا نقارخانہ میں طوطی کی آواز تھی کسی نے نہ سنا آخر وہ بزرگ اپنے چند رفقاء کو لیکر علیحدہ ہو گئے۔

کتب تواریخ سے ثابت ہے کہ کوئی زمانہ ایسا نہ گذرا ہوگا جو ایسے لوگوں سے خالی ہو اسی زمانہ کو دیکھ لیجئے کہ کیسے کیسے مذاہب لوگ ایجاد کرتے جاتے ہیں۔ اکثر سنا جاتا ہے کہ بعض متصوفہ اپنے خاص مریدوں کو تعلیم دیتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بشر اور خدا کے بندے نہ تھے بلکہ خود خدائے تعالی حضرت کی شکل میں آیا تھا اسوجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو عبدہ ورسولہ کہنا کسر شان نبوی ہے۔ اگر یہ بات صحیح ہے تو ان حضرات نے بھی وہی کیا جو پولس صاحب نے کیا تھا۔ اور کہتے ہیں کہ بزرگان دین ہمہ اوست کے قائل ہیں اسلئے نماز و روزہ وغیرہ عبادات سب فضول ہیں۔ اگر یہ صحیح ہے تو یہ حضرات پولس صاحب سے بھی فائق نکلے اسلئے کہ اونھوں نے صرف قبلہ کو بدلا تھا یہاں تو سرے سے عبادت ہی ساقط ہے اسلئے قبلہ بدلنے کی ضرورت نہی نہیں یہ کوئی نہیں پوچھتا کہ حضرت سارا عالم خدائے بیچوں ہے تو خدائے تعالی کو تکلیف کرکے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت میں تشریف لانے اور قرآن اُتارنے کی کیا ضرورت جو اوامر و نواہی اور وعدوں اور وعیدوں سے بھرا ہوا ہے۔ پھر اگر ماں بہن سے لوگ نکاح کریں اور مردار وغیرہ کھایا کریں تو کون پوچھنے والا ہے۔ اسی طرح ابن سبا جو باتفاق شیعہ وسنی یہودی بے دین اور مخرب دین اسلام تھا وہی کام کیا جو پولس صاحب نے کیا تھا بلکہ غور سے دیکھا جائے تو

ابن سبا ہوشیاری میں بڑھا ہوا نظر آئیگا اسلئے کہ پولس صاحب سے باوجود سلطنت کے یہ نہو سکا
کہ عیسی علیہ السلام کی زندگی میں اونکی الوہیت ذہن نشین کریں اور ابن سبا نے علی کرم اللہ
وجہہ کی زندگی ہی میں یہ مسئلہ لوگوں کے ذہن نشین کر دیا جس کا اثر ابتک جاری اور ایک
فرقہ اوس کا قائل ہے۔ اس تقریر سے ظاہر ہے کہ ناسخ التواریخ صفحہ (۶۱۶) کی جلد سیوم میں جو
لکھا ہے (کہ علی علیہ السلام جو معجزات دکھلائے اور غیب کی خبریں دینے لگے تو ایک جماعت
آپ کی الوہیت کی قائل ہوگئی) وہ صحیح نہیں اس لئے کہ ناسخ التواریخ ہی سے ابھی معلوم ہوا
کہ امیر المومنین علیہ السلام بعد قتل خوارج جب واپس تشریف لا رہے تھے اوسوقت ایک جماعت
کو دیکھا کہ ماہ رمضان میں کھانے پینے میں مشغول ہیں اون سے دریافت فرمایا کہ تم لوگ مسلمان
ہو یا اہل کتاب؟ پھر فرمایا کہ اگر اہل کتاب ہو تو جزیہ دیکر تکلیفات شرعیہ سے رہائی حاصل کرو
یہ سُن کر ابن سبا نے کہا کہ ہم اہل کتاب نہیں بلکہ آپکی الوہیت کے قائل ہیں اوسپر آپنے
اونکے احراق کا حکم دیا۔ اب کہئے کہ اونکو معجزات دیکھنے کی نوبت ہی کب آئی۔ وہ تو نہ حضرت کے
لشکر میں تھے نہ کبھی آپنے اونکو دیکھا تھا آپ کو یہ بھی معلوم نہ تھا کہ وہ مسلمان ہیں یا یہودی
یہانتک کہ اونکا دین دریافت کرنے کی ضرورت ہوئی۔ غرضکہ اس کا انکار نہیں ہوسکتا کہ
ابن سبا یہودی تھا اور یہود کی مخالفت مسلمانوں کے ساتھ اور اونکا سخت دشمن اسلام
ہونا قرآن شریف سے ثابت ہے جیسا کہ حق تعالی فرماتا ہے ولتجدن اشد الناس
عداوۃ للذین امنوا الیہود والذین اشرکوا یعنے یہود اور مشرک سب سے
زیادہ مسلمانوں کے دشمن ہیں۔ وہ ابتدا سے اس تاک میں تھے کہ جس طرح نصاری کے
دین کو بگاڑا مسلمانوں کے دین کو بھی بگاڑ دیں اور اونمیں تفرقہ ڈالدیں۔ مگر صدیق اکبر
اور عمر فاروق رضی اللہ عنہما کے زمانہ میں اونکو موقع نہ مل سکا۔ کیونکہ ان دونوں خلافتوں

میں ادنیٰ ادنیٰ امور پر سخت دار وگیر ہوا کرتی تھی دیکھئے بعضے قبائل عرب نے صرف یہ کہا تھا کہ ہم زکوٰۃ بارگاہ خلافت میں نہ بھیجکر اپنے طور پر ادا کردینگے۔ اس پر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے صاف حکم دیدیا کہ اون سے جہاد کیا جائے حالانکہ عمر رضی اللہ عنہ جیسے سخت گیر شخص نے کہا کہ اوائل خلافت کا زمانہ ہے تالیف قلوب سے کام لیجئے ایسے خفیف امور پر اتنی سختی مناسب نہیں مگر آپنے نہ مانا یہاں تک کہ خود اپنی ذات سے مہاجرین وانصار کو لیکر جہاد کے لئے روانہ ہوگئے۔ اور عمر رضی اللہ عنہ کی بیدار مغزی اور حفظ ماتقدم اور فتنوں کا انسداد تو اظہر من الشمس ہے۔

غرضکہ خلافت اولیٰ اور ثانیہ کے حالات تواریخ میں دیکھے جائیں تو معلوم ہو کہ ادنیٰ ادنیٰ امور پر خاص قسم کی توجہ مبذول رہتی تھی جس سے کسی کو فتنہ انگیزی کا موقع ہی نہیں ملتا تھا۔ اس لئے یہود کی دلی عداوت کا کوئی اثر اوسوقت ظاہر نہ ہوسکا۔ عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت میں جب مملکت اسلامیہ کے حدود وسیع ہوے اور مسلمانوں میں تمول بڑھگیا کیونکہ عثمان رضی اللہ عنہ پہلے ہی سے غنی تھے اپنی خلافت میں آپنے سب مسلمانوں کو غنی بنادیا چنانچہ مروج الذہب میں آپکی خلافت کے حال میں لکھا ہے کہ زبیر رضی اللہ عنہ کا ترکہ صرف نقد پچاس ہزار دینار یعنے اشرفی تھا اسکے سوا ہزار گھوڑے ہزار غلام ہزار لونڈیاں تھیں اسکے سوا زمین مکانات اور املاک کثرت سے تھے ایک گھر آپنے بصرہ میں ایسا وسیع بنایا تھا کہ جتنے تجار وغیرہ اطراف وجوانب سے آتے اوسی میں اترتے تھے۔ طلحہ رضی اللہ عنہ کا ایک گھر جو کوفہ میں تھا اوسکے کرایہ کی آمدنی روزانہ ہزار اشرفی تھی اسکے سوا اور بہت سے گھر اور املاک تھے۔ عبدالرحمن بن عوفؓ کے یہاں سو گھوڑے اور ہزار اونٹ اور دس ہزار بکریاں تھیں اور اونکے ترکہ کا ربع ثمن یعنے بتیسویں حصہ کا جو حساب کیا گیا تو چوراسی ہزار درہم ہوئے

زید بن ثابتؓ نے اتنا سونا اور چاندی ترکہ میں چھوڑا کہ کلہاڑیوں سے توڑا جاتا تھا اور زمین وغیرہ املاک کی قیمت لاکھ اشرفی تھی یعلے بن امیہ کا ترکہ نقد پانچ لاکھ اشرفی تھا سوائے قرضوں کے جو لوگوں کے ذمہ تھے اور زمین وغیرہ املاک کی قیمت ایک لاکھ اشرفی تھی انتہی۔

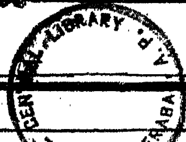
لکھا ہے کہ عثمان رضی اللہ عنہ کی بخشش سے نزدیک اور دور والے برابر مستفید تھے اور ظاہر ہے کہ تمول آدمی کو تعیش اور دنیوی کاموں میں لگا دیتا ہے اسلئے اوسوقت حکومت میں کسی قدر ضعف آگیا چنانچہ ناسخ التواریخ وغیرہ میں لکھا ہے کہ جب علی کرم اللہ وجہہ نے عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے لوگوں کے خیالات ظاہر کئے کہ آپنے اپنے قرابتداروں کو بہت آسودہ کردیا ہے تو انھوں نے جواب میں کہا کہ معاویہ گو میرے قرابتدار ہیں مگر اونکو میں نے مقرر نہیں کیا بلکہ عمر رضی اللہ عنہ نے اونکو مقرر کیا تھا۔ علی رضی اللہ عنہ نے کہا آپ نہیں جانتے کہ معاویہ عمر رضی اللہ عنہ سے اتنا ڈرتے تھے کہ اونکا غلام یرفان بھی اون سے نہیں ڈرتا تھا۔ غرضکہ وہ دار وگیر اسلامی کاموں میں جو پہلے تھی اسوقت نرہی اور یہود کو اب موقع مل گیا اور اس کام کیلئے ایک کمیٹی قائم کی جس کا میر مجلس عبداللہ بن سبا تھا کیونکہ اتنا بڑا کام جسکا برا اثر لاکھوں پر پڑے ممکن نہیں کہ ایک آدمی کے کہنے سے سرانجام پاسکے۔

مورخین شیعہ وسنی کا اس پر اتفاق ہے کہ عبداللہ بن سبا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں مسلمان ہوا جس کا مطلب ظاہر ہے کہ منافقانہ اسلام ظاہر کرکے فتنہ انگیزی اور دین میں رخنہ اندازی شروع کی۔ اور ایک جماعت یہود کو اپنے جیسے مسلمان بنا کر رخنہ اندازی کی بنیاد ڈالی۔ پہلے بڑے بڑے اسلامی شہروں میں دورہ لگا کر وہاں کے حالات سے واقف ہوا اور جہاں جہاں جیسا موقع ملا حسب مناسبت تعلیم کی۔ مثلاً کہیں یہ بات بنائی کہ جس طرح عیسیٰ علیہ السلام پھر دنیا میں آئینگے محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی آئینگے

یہ تمہید اس بات کی تھی کہ شدہ شدہ عیسی علیہ السلام کی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی خدا کا بیٹا وغیرہ قرار دے اور ابتدا ایک ایسے مسئلہ سے کی جو ہمارے دین میں بھی مسلم ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام پھر نزول کرینگے اور کہیں یہ بات بتائی کہ علی رضی اللہ عنہ مرے نہیں جیسا کہ ناسخ التواریخ صفحہ (۶۱) کی جلد سوم میں لکھا ہے جس کا ترجمہ یہ ہے کہ عبد اللہ بن سبا کے پاس ایک بڑی جماعت ہوگئی تھی اونکا عقیدہ تھا کہ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ مرے نہیں بلکہ سیر افلاک میں مشغول ہیں چنانچہ رعد و برق اونھیں کی آواز ہے جب ابر گرجتا ہے تو یہ لوگ (سلام علیک یا امیر المومنین) کہتے ہیں انتہی۔ ابتدا میں اوسکو یہ خیال ضرور رہوا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت خلاف واقع اعتقادات مسلمانوں میں پیدا کردیئے جائیں مگر کسی مصلحت سے اوس پر زور نہ دیا اور اہل بیت کرام کی محبت کو اپنی کامیابی کا ذریعہ بنایا کیونکہ اوسوقت تک عموماً اہل اسلام اوسکو ضروری سمجھتے تھے۔ رہا فرقہ خوارج جو اوسے ضروری نہیں سمجھتے سو اونکا وجود علی کرم اللہ وجہہ کی خلافت میں ہوا۔

اب ہم چاہتے ہیں کہ اس مقام پر اس حصہ کو ختم کردیں۔ اگر خدا چاہا تو آیندہ حصہ ششم میں ابن سبا کے متعلق مفصل حالات اور اوسکی کارگذاریاں اور فتنہ پردازیاں وغیرہ بیان کرینگے۔ وَمَا تَوْفِيْقِيْ اِلَّا بِاللهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ اُنِيْبُ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ وَصَلَّى اللهُ تَعَالٰى وَسَلَّمَ عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ اَجْمَعِيْنَ فقط

تمت بالخیر



اعلان

اہل اسلام کو بشارت دیجاتی ہے کہ حضرت مولانا مولوی حاجی حافظ محمد انوار اللہ صاحب قبلہ کی تصانیف جنکی بسبب اقتضائے زمانہ نہایت سخت ضرورت ہے مندرجہ ذیل پتہ سے شائقین کی طلب پر روانہ کیجا سکتی ہیں ۔

انوار احمدی ۔ اسمیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل اور درود شریف کے فوائد اور صحابہ کرام وغیرہم کے آداب اور چند ضروری مسائل پر نہایت محققانہ بیان کیا گیا ہے جنکی عموماً اہل اسلام کو ضرورت ہے [illegible] کے باعث نفوس کثیرہ تقسیم ہو چکی تھی اب پھر شائقین کے تقاضے پر مکرر طبع کیگئی ہے قیمت ۱۲/ا

لباب العقل اسمیں عقل کی حقیقت کھولدی گئی ہے کہ دینی ابواب میں کہانتک چل سکتی ہے اور حکمت قدیمہ و فلسفہ جدیدہ کا اثر جن مسائل پر پڑتا تھا اونکے جوابات عقلی نہایت محققانہ انداز سے دیئے گئے ہیں ۔
قیمت کاغذ چکنا ۱۲/ا کاغذ کھرا ۸/

افادۃ الافہام ہر دو حصہ ۔ یہ کتاب مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کے ازالۃ الاوہام کا جواب ہے نہایت ہی متین اور مہذبانہ طرز سے جوابات دیئے گئے ہیں جنکے ضمن میں کئی دینی ضروری مسائل کی تحقیقات اور نیز بہت سے تاریخی حالات مندرج ہیں اس کتاب کے دیکھنے سے مذہب قادیانی کے مفاسد سے بخوبی آگاہی ہو جاتی ہے ۔ کاغذ چکنا عہ/ کاغذ کھرا ۱۲/

مقاصد الاسلام ہر چہار حصہ جنمیں اخلاق تمدن فقہ کلام فلسفۂ اسلام اور تصوف وغیرہ مضامین پر نہایت محققانہ اور دلکش طرز پر بحث کیگئی ہے ۔ قیمت . . . . عہ/

حقیقۃ الفقہ ہر دو حصہ جسمیں محققین و محدثین کے انصاف پسندی اونکے کارنامے اور حدیث و فقہ و اجتہاد کی ضرورت نہایت مدلل طور پر ثابت کیگئی ہے خصوصاً امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی جانفشانیاں اور فضائل جو اکابر محدثین کے اقوال سے ثابت ہیں نہایت شرح و بسط سے لکھے گئے ہیں قیمت . . . . عہ/

انوار الحق مولوی حسن علی صاحب لکچرر کی تائید الحق جو مرزا صاحب قادیانی کی تائید میں لکھی گئی ہے اسکے جواب میں محققانہ رسالہ لکھا گیا ہے اسکا انداز بیان دیکھنے سے معلوم ہوگا کہ کس قدر دلچسپ ہے قیمت . . . ۱/

پتہ

حضرت مولانا مولوی حاجی حافظ محمد انوار اللہ صاحب قبلہ حیدرآباد دکن بازار سلیمانجاہ (انوار منزل)

المعلن

ابو الوفا سید رحیم اللہ حسینی بختیاری عفی عنہ (مولوی فاضل)